

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

جلد سوم

— معنی —

احادیث نبوی کا ایک جدید انتخاب
از دو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

— تالیف —

محمد منظور نعمانی

کتاب خانہ افسانہ کچہری رُود، لکھنؤ

مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

احادیث نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد سوم

کِتَابُ الطَّهَارَةِ وَکِتَابُ السَّالَةِ

ناشر

مولانا محمد منظور نعمانی

نمبر ۱۳/۵۲
کتاب خانہ کتب خانہ

ناشر کتب خانہ الفیستان کچہری روڈ اکھنڈ

برائے
۱۰۰۰
۶۵
۱۳۵۵
۱۳۵۵

مطبوعہ تنویر کتب خانہ

فہرست جلد ۱۳/۵۰
غیر جلد ۱۳/۵۰

نکتہ سنجان راصلئے عام
از نیچے اُتیے ہیں ام

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں — ج۔
”نبی اُمّی“ سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ اُمّی) والی دروچی و قلمی) ہے
ایمان رکھتے ہیں
اور آپ کی ہدایت اور اُسوا حسنہ کی پیروی میں اپنی اور تمام اہلِ دنیا
نجات کا یقین کرنے ہیں
اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح و اجنبت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آئیے
علم و تقویٰ اور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی میں حاضر ہو کر
آپ کے ارشادات سنیں

اور
اسی چشمہٴ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں!



URD
297.13
MUH

ماہِ رمضان
میں منظورِ جہادِ خداوندی

L10579

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشارہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشارہ
۱۵۹	اذان اور ٹوڈنوں کی فضیلت	۱۰۳	کتاب الصَّلَاة
۱۶۳	اذان کا جواب اور اسکے بعد کی دعا	۱۰۵	نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کا امتیاز
۱۶۹	مساجد اور ان کی عظمت و اہمیت	۱۰۹	نماز ترک کرنا ایمان کے معافی اور کافرانہ عمل
۱۷۷	مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا	۱۱۳	نماز بیجا گناہ کی فرضیت اور ان پر وعدہ و نذر
۱۷۸	تیمم المسجد	۱۱۳	نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ
۱۷۹	مسجد سے نکلنے کی نشان	۱۱۸	وقت پر نماز محبوب ترین عمل
۱۸۰	مسجدوں میں عصفائی اور دوسروں کا حرم	۱۱۹	نماز کے اوقات
۱۸۱	مسجد بنانے کا اجر	۱۲۷	وقت ظہر کے بارے میں آپ کا معمول اور ہدایت
	مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور زیب و زینت	۱۲۹	وقت عصر کے بارے میں .. .
۱۸۱	پسندیدہ نہیں۔	۱۳۱	وقت مغرب کے بارے میں .. .
۱۸۳	برہنہ دار چیز کھانے کے مسجد میں آنے کی ممانعت	۱۳۲	وقت عشاء کے بارے میں .. .
۱۸۴	مسجدوں میں شر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت	۱۳۴	وقت فجر کے بارے میں .. .
	چھوٹے بچوں اور شور و شغب وغیرہ سے مسجدوں کی حفاظت۔	۱۳۷	آخر وقت میں نماز پڑھنے کے بارے میں
۱۸۵		۱۳۹	سونے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو
۱۸۶	مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے	۱۴۱	اذان
۱۸۷	مسجد میں نماز کے لئے عورتوں کا آنا	۱۴۲	اسلام میں اذان کا آغاز
۱۹۱	جماعت	۱۴۹	ابو محمد و رواد کو اذان کی تلقین
۱۹۲	جماعت کی اہمیت		اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی
۱۹۸	نماز باجماعت کی فضیلت اور برکت	۱۵۳	تعلیم و دعوت۔
۲۰۰	جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب	۱۵۵	اذان و اقامت سے متعلق بعض احکام

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشارہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشارہ
۲۳۸	کُن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں۔	۲۰۰	خاص اذکار اور دُعا میں مسئلہ قُرأت فاتحہ میں مجتہدین کے مذاہب
۲۳۹	جماعت میں صفت بندی	۲۰۱	نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قُرأت
۲۴۰	مضمون کو سیدھا اور بر کرنے کی اہمیت و تاکید	۲۰۲	نماز عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قُرأت
۲۴۱	پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں	۲۰۳	نماز مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قُرأت
۲۴۲	صفت اول کی تفصیل	۲۰۴	نماز عشاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قُرأت
۲۴۳	صفوں کی ترتیب	۲۰۵	تختِ اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قُرأت
۲۴۴	امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے	۲۰۶	جمعو اور عیدین کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قُرأت
۲۴۵	جب ایک باوجود مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں	۲۰۷	کی قُرأت
۲۴۶	صفوں کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت	۲۰۸	سورۃ النجم برآئین
۲۴۷	خود توں کو کم دوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔	۲۰۹	آمین یا ہم یا ہس
۲۴۸	امامت	۲۱۰	رفع یدین
۲۴۹	امامت کی ترتیب	۲۱۱	رکوع و سجود
۲۵۰	اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے	۲۱۲	رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرنے کی تاکید
۲۵۱	امام کی ذمہ داری اور مسئولیت	۲۱۳	رکوع و سجود میں کیا پڑھا جائے
۲۵۲	مقتدیوں کی رعایت	۲۱۴	رکوع و سجود میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے
۲۵۳	مقتدیوں کو ہدایت	۲۱۵	سجدہ کی تفصیل
۲۵۴	نماز کس طرح پڑھی جائے؟	۲۱۶	قنہ اور جملہ
۲۵۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے	۲۱۷	قنہ، تشہد اور سلام
۲۵۶		۲۱۸	قنہ کا صحیح اور منہج طریقہ

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۲۴۴	نماز تہجد کی قضا اور اس کا بدلہ	۲۹۱	قعدہ اولیٰ میں اختصار اور عجائبات
۲۴۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔	۲۹۱	تہجد
۲۴۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی بعض فضیلتیں	۲۹۵	درود شریف
۲۴۶	چاشت یا اشراق کے نوافل	۲۹۵	درود شریف کی حکمت
۲۴۷	وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے	۲۹۶	درود و سلام سے شرک کی جڑ کاٹ جاتی ہے
۲۶۱	صلوٰۃ استغفار	۲۹۶	قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم
۲۶۳	صلوٰۃ الحاجۃ	۳۰۰	درود شریف میں لفظ آں کا مطلب
۲۶۵	صلوٰۃ استخارہ	۳۰۲	نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت
۲۶۸	صلوٰۃ التسبیح	۳۰۳	درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دُعا
۲۷۳	نوافل کا ایک خاص فائدہ	۳۰۸	خاتمہ نماز کا سلام
۲۷۵	خاص اجتماعی نمازیں بذاتِ رب سلمہ کا شعار ہیں	۳۱۰	سلام کے بعد ذکر و دُعا
۲۷۵	جمعہ و عیدین	۳۱۹	مُستثنیٰ اور نوافل
۲۷۷	جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت	۳۲۰	دن رات کی نوکدہ مُستثنیٰ
۲۷۸	جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف	۳۲۲	فجر کی مُستثنیٰ کی خاص اہمیت و فضیلت
۳۲۱	وفات کے بعد آپ پر درود کی جیسی اور مسئلہ	۳۲۷	وتر
۳۲۹	حیاتِ انبیاء: —————	۳۲۷	قنوت و تر
۳۲۸	جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گمراہی	۳۲۸	وتر کے بعد دو رکعت نفل
۳۲۲	نماز جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت	۳۳۹	قیام لیل یا تہجد اس کی فضیلت اور اہمیت
۳۲۳	نماز جمعہ کا اہتمام اور اس کے آداب	۳۳۹	عقیدہ عصمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت: —————

صفحہ	مضمون کا اشاریہ	صفحہ	مضمون کا اشاریہ
۳۱۵	بڑے جانور میں کتنے حجے	۳۸۷	جمو کے دن خط بنانا اور ناخن ترشوانا
۳۱۶	قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد	۳۸۸	جمو کے لئے اول وقت جانے کی فضیلت
۳۱۷	عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت	۳۸۹	نماز جمو اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہول۔
۳۲۰	صلوۃ کسوف اور	۳۹۱	نماز جو سے پہلے اور بعد کی سنتیں
۳۲۱	صلوۃ استسقا	۳۹۵	عید الفطر و عید الانبیاء
۳۲۲	نماز کسوف	۳۹۷	عیدین کا آغاز
۳۲۸	نماز استسقا	۳۹۸	عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ
۳۲۹	نماز جنازہ اور	۳۹۹	عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے
۳۳۳	اُس کے قبل و بعد	۴۰۰	عیدین کے بارے میں پہلے اور بعد کی کوئی نفل نماز
۳۳۶	موت کی ... اور میں کاتوں	۴۰۱	نہیں ہے۔
۳۳۹	موت کی نفا اور دعا کرنے سے ممانعت	۴۰۲	عیدین کی نماز کا وقت
۳۴۰	بیادری حجی نہ من کئے جنت اور گناہوں کا	۴۰۳	عیدین کی نماز میں نوافل
۳۴۱	کستہ	۴۰۵	بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں
۳۴۵	بھاری میں زمانہ نشتہ رشتی کے اعمال کا ثواب	۴۰۶	عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے نماز کے بعد
۳۴۶	مہینے کی جوارب اور بکری و بھڑدی	۴۰۷	سید گاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی
۳۴۹	مریض بر دم اور ان کے لئے دعا و صحت	۴۰۸	صدقہ فطر اس کا وقت اور اس کی حکمت
۳۵۱	جب نوٹ کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟	۴۰۹	عید الاضحیٰ کی قربانی
۳۵۲	مرنے کے بعد کیا کیا جائے	۴۱۲	قربانی کا طریقہ
۳۵۶	جنت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم	۴۱۳	قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات
۳۶۱	آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ		

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۳۷۵	جنازہ کیساتھ تیز رفتاری اور بلندی کا ٹکڑ	۳۶۲	عبیت زدہ کی تعزیت اور بہرہ رومی
۳۷۶	نماز جنازہ اور اس میں موت کے لئے دعا	۳۶۳	پل میت کے لئے کھانے کا اہتمام
۳۷۶	نماز جنازہ میں کثرت تعدا کی برکت اور اجنب	۳۶۴	یت پر صبر اور اس کا اجر
۳۸۲	دفن کا طریقہ اور اسکے آداب	۳۶۵	انحضرت کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین
۳۸۶	قبور کے متعلق دربابات	۳۶۸	بیت کا غسل و کفن
۳۸۸	زیارت قبور	۳۷۱	لفن میں کیا کیا اور کیسے کسے ہونے چاہئیں
۳۹۰	اموات کے لئے ایصال ثواب	۳۷۲	نمازہ کیساتھ چلنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب

دیس اچہ

ادب و اخلاق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْطَلِحْ

اسلام میں بلکہ کسی بھی مذہب میں جس کو مذہب کہا جا سکتا ہو ۔۔۔ نبی اور رسول کے بغیر ہدایت کا کوئی تصور ہی نہیں نبی اور رسول ہی برابر راست ہدایت کا نزول جوتا ہے، وہی بندہ اللہ کی ہدایت پہنچاتا ہے۔۔۔ ہی اسکے اصولوں کی تشریح کرتا اور احکام کی عملی سکھاتا ہے، پھر اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ضروری سوالات کا وہی جواب دیتا ہے۔ مسئلے ہدایت کے نظام میں رسول ہی کی حیثیت مرکزی اور بنیادی ہے، اور وہی انسانوں کے لئے ہدایت کا ماخذ ہے اور ان کے لئے اُس راہبان لانا اور اُس کو اہل کام کا پیدا کرنا انما فیہ النجات اور سعادت کی بنیادی شرط ہے۔۔۔ ہمارے اس دور کے لئے بلکہ چھٹی صدی عیسوی سے اس دنیا کے آخری دن یعنی قیامت تک کے لئے اور پورے عالم انسانی کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی و رسول ہیں، ان کے خاتم النبیین ہونے کا یہی مسئلہ ہے کہ اب قیامت تک انہی کی نبوت و رسالت کا دور ہے، اب اللہ کی رضا اور اُس کا قرب حاصل کرنے کی راہ صریح وہی ہے جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی۔

فَرَأَىٰ مُحَمَّدٌ مِّنْ خَدَّيْهِ نَارٌ تَخْرُجُ كَمَا تَخْرُجُ نَارُ الْمِصْبَاحِ تَظْهِرُ مَا فِيهَا
وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ رَحِيمٌ عَلِيمٌ
لَا يُخَيِّتُ الْكَافِرِينَ

(آل عمران ۴۰)

رہے پیغمبر اتم صاف صاف بنا دو کہ اے لوگو اگر تم خدا کو چاہتے ہو اور اس کی رضا و رحمت اور اُس کے پیار کے طلبگار ہو تو اس کا راستہ صریح یہ ہے کہ میری پیروی کرو اور میری بتائی ہوئی

راہ پر چلے، صرف اسی طرح تم اُس کی بخشش اور اُس کے پیار سے حقہ پاسکو گے۔ اے رسول! تم کہدو کہ اے لوگو! اللہ اور اُس کے رسول کی یعنی میری فرمانبرداری کرو، اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کی محبت اور اس کا پیار کبھی حاصل نہیں ہوگا نہ ماننے والوں کو۔

جب آپ پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع اور آپ کے اسوہ حسنہ کی پیروی قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے نجات اور رضائے الہی کی شرط قرار دی گئی تو ضروری تھا کہ یا تو آپ کو اس دنیا کے خاتمہ تک زندہ رکھا جاتا تاکہ ہدایت و رہنمائی کے لئے نفس نفیس آپ کی طرف رجوع کیا جاسکتا یا آپ کی پوری تعلیم و ہدایت اور آپ کے اسوہ حسنہ کو اس طرح محفوظ کر دیا جاتا کہ بعد میں آنے والے بھی پورے علمی اعتماد اور قلبی اطمینان کے ساتھ اُسی طرح آپ سے تعلیم و ہدایت لے سکتے جس طرح سے اور جس اعتماد و وطنیان کیساتھ آپ کے زمانہ کے لوگ لیتے تھے۔

قیامت تک آپ کو زندہ و باقی رکھنا حکمت الہی کے خلاف تھا، اسلئے دوسرا بند و بست فرمایا گیا۔ آپ کی لائی ہوئی ہدایت کا ایک حصہ جو اُسی قانون اور بنیادی دستور کی حیثیت رکھتا ہے جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں یعنی قرآن مجید، اُس کو تو اللہ تعالیٰ نے لفظ بہ لفظ محفوظ کر دیا تا تاریخ سے وقفیت رکھنے والے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اس کا لفظ لفظ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق آپ کی تفصیلی ہدایات، آپ کے راہنما و ارشادات و خطبات، آپ کے اعمال و افعال اور اخلاق و عادات کو یا آپ کی پوری زندگی جو دراصل قرآن مجید کی تشریح و تفسیر اور اُسکی ہدایت و تعلیم کی عملی تصویر ہے، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت سے حدیث کی تدوین اور حفاظت کا عہدہ کام لیکر ایسا محفوظ کر دیا کہ قرینہ چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کی پوری پیغمبرانہ زندگی کا یکبارہ اس طرح موجود اور محفوظ رہے کہ گویا اپنی خصوصیات کے ساتھ آپ خود اس دنیا میں رونق افروز ہیں۔ اگر

کسی باتو فیق بندے کی حدیث کے ذخیرے پر نظر ہو اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمانی رابطہ بھی نصیب ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ گویا حدیث کے آئینہ میں اس کی نظر کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کی عکسی تصویر ہے، وہ آپ کو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہنستے بولتے، نماز پڑھتے، لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے، اللہ کے حضور میں دعا کرتے، اس میں زار زار روتے اور اسنو بہاتے، حرام باندھے، حلال کرتے، حج میں طواف اور سعی کرتے، قربانی کرتے اور حلق کرتے، مسجد کے صحن میں نزاعات کا تصفیہ کرتے،

مجرموں کے لئے سزاؤں کے احکام جاری فرماتے اور میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کی قیادت کرتے دیکھے گا۔ اپنے دل کے کانوں سے آپ کے ارشادات سُننے گا۔ جلوت اور عام مجاہدین کے علاوہ غلوت کی آپ کی ایسی بہت سی باتیں بھی اُسکے علم میں آئیں گی جو اپنے قریب ترین عزیزوں دوستوں حتیٰ کہ اپنے ماں باپ کی بھی وہ نہ جانتا ہوگا۔

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے اپنے ملک کے ایک مشہور و معروف خیر مسلم فاضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی زندگی کے غفواظ ہونے ہی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اُن کی بعض غلط فہمیوں اور غلطیوں کو دور کرنے کے لئے مجھے کہنا پڑا تھا کہ: ”میرے والد ماجد کا انتقال جس وقت ہوا اُس وقت میری عمر تقریباً پینتالیس سال کی تھی، گویا میں فہم و شعور کے ساتھ تقریباً ۴۲ سال اپنے والد ماجد کے زیر سایہ رہا ہوں، لیکن میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ حدیث کے ذریعہ جتنا کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جانتا ہوں اتنا اپنے والد ماجد کے بارے میں نہیں جانتا۔“ — الحمد للہ مجھے اطمینان ہے کہ یہ بات میں نے غلط نہیں کہی تھی۔

صحابہ کرامؓ جن کو دو اہم ایمان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کی نسبت بھی نصیب تھی جو کچھ آپ سے سُننے تھے اور جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے اس کو یاد رکھتے تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ اُسکے تذکرے کرتے تھے۔ یہ ایمان اور عشق و محبت کا قدرتی تقاضا بھی تھا اور وہ اس کو اپنی اہم ذمہ داری بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے۔ — بعض صحابہ مثلاً عبد اللہ بن عمرو بن العاص یعنی اللہ عنہ آپ کے ارشادات خود آپ کی اجازت سے قلمبند بھی کرتے تھے لیکن

پھر جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نصیب نہیں ہوا، انہوں نے آپ کے فیض یافتہ صحابہ کرامؓ کو پایا انہوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ اُن سے حاصل کیا۔ اس دور میں دیہی سنی و زبانی میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی خاص توجہ اور تحریک کے کتابی شکل میں صحابہ کرامؓ کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ اور مسند احمد و ابن ابی داؤد میں خود عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی تھی اُوں نے مجھے اس کی اجازت دی تھی۔ ۲۔ عمر بن عبد العزیزؓ نے مدینہ طیبہ کے اپنے امیر اور قاضی (بقیہ ص ۱۲ پر)

چنانچہ ابن شہاب زہری اور صہام بن خیر جیسے علمائے تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ یہ ان کے
لامذہ میں اس کا عام رواج ہو گیا۔

اس دور کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سے امام مالک کی نوٹا آج تک متداول ہے۔ اسکے علاوہ
وہبت سے مجموعے اس دور میں مرتب ہوئے تھے وہ مستقل صورت میں اگرچہ آج سامنے نہیں ہیں لیکن بعض
نیا رشده مجموعوں میں وہ پورا علمی سرمایہ محفوظ ہو گیا ہے۔

اس دور کے بعد امام عبد الرزاق، امام ابن شیبہ، امام احمد، اور حافظ احمد بن حنبل جیسے
سیکڑوں حضرات نے اپنے اپنے انداز پر اس کام کو آگے بڑھایا۔

ان کے بعد امام بخاری، امام مسلم اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا، انھوں نے اس سلسلہ میں وہ کام کیا
جو ان کی مرتب کی ہوئی کتب صحاح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

ان کے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے سیکڑوں مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین
و حفاظت کا یہ کام کئی صدی سلسلہ اسی طرح ہوتا رہا۔ ساتھ ساتھ راویوں کی تنقید اور جرح و تعدیل کا کام بھی
خاص اہتمام سے ہوتا رہا، اور اسکے نتیجہ میں چالیس ہزار سے زیادہ روایات حدیث کے احوال سے متعلق
اسمار الرجال کے عنوان سے ایک مستقل فن اور ایک پورا کتب خانہ تیار ہو گیا۔

اسی کے ساتھ احادیث سے اصول و احکام کے استخراج و استنباط کا کام بھی برابر ہوتا رہا، جس کا
ابتدائی نمونہ امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اور
امام بخاری کے تراجم ابواب تو اس کی بہترین مثال ہیں۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علمائے اہل سنت نے احادیث کے ان مجموعوں یا انہی سے مرتب ہونے والی
دوسری نوکلفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا، اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے
مذاق کے مطابق ان کی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(ملاحظہ کا بغیر حاشیہ)

ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا: انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كتبه خافي خفت
دروس العلم وذهاب العلماء۔ (صبح بخاری)۔

ہمارے اس زمانہ کی مثال سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت نے پوری انسانی دنیا کے طرز فکر اور علمی مزاج کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے، اسلئے تعلیمات محمدی کے آج کے ایسوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اچھے دو سو سال پہلے ٹھیک اُس وقت جبکہ ان مغربی علوم و افکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوا دی تھی۔ اُن کی بے نظیر کتاب ”حجتہ اللہ سالحہ“ میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا بھلا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جس کی یہ تیسری جلد اب شائع ہو رہی ہے اسلئے اس میں دوسری شروع حدیث کی نسبت زیادہ استفادہ ”حجتہ اللہ سالحہ“ ہی سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اس کی حکمت کے بیان میں دو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی ایک خصوصیت تو یہی ہے کہ اُس سے اس دو ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں اسکے علاوہ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس کی روشنی میں اُمت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی و اجتہادی اختلافات کی دائمی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدوقی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان مسالک کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ جمادی درمنا ہوں میں اچھی تک یہ ولی اللہی طریقہ رداج نہیں پاسکا، حالانکہ ہمارے اس دور کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص انخاص نعمت ہے۔

معارف الحدیث کی یہ تیسری جلد اب طہارت اور ابواب صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں اُن مسائل سے تعلق بھی ناظرین کرام پڑھیں گے جن میں فقہاء کے مسالک مختلف ہیں، اس عاجز نے

ان کی تشریح میں حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے اصولی طریقے کی پیروی کی ہے۔

اس جلد سے متعلق کچھ ضروری باتیں

معارف الحدیث کی پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ۱۰ اور دوسری میں تزکیہ قلب و نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق احادیث مرتب کر کے پیش کی گئی تھیں، اس تیسری جلد میں اسلام کے لیے نظام عبادت یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اذکار و دعائے ابواب کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن صرف نماز اور طہارت کے ابواب کے صفحات پانچ سو کے قریب ہو گئے، اس لئے اس جلد کو اسی پر تمام کر دینا پڑا باقی حصہ انشاء اللہ جو تھیں جلد میں پیش ہو گا، اندازہ یہ ہے کہ اس کی ضخامت بھی اتنی ہی ہو جائیگی۔

پہلی جلد ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری اس کے ۳ سال بعد ۱۳۷۵ھ میں شائع ہو گئی تھی، یہ تیسری جلد بعض خاص رکاوٹوں کی وجہ سے قریباً ۸ سال کے وقفے کے بعد شائع ہو رہی ہے، لیکن اس کے بعد والی جلد کے بارے میں اُمید ہے کہ وہ انشاء اللہ آٹے والے سال ہی میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا سکے گی۔

طہارت چونکہ بہت سی عبادات کے لئے خاص کر نماز کے لئے شرط قرار دی گئی ہے، اس لئے عام محدثین کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں نماز اور دوسری عبادات کی حدیثوں سے پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، اسی طریقے کی پیروی میں اس جلد میں بھی پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں درج کی گئی ہیں جن کی تعداد صرف نثر ہے، اس کے بعد ابواب نماز کی حدیثیں ہیں جن کی تعداد ۱۵۱ ہے۔ ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور و فکر سے کیا گیا ہے۔ حدیث پر نظر اور دوبرہ حاضر کے علمی و دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کریں گے کہ ترجمہ اور تشریح سے قطع نظر یہ انتخاب و ترتیب بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔

اس سے پہلے دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطلع نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی عظمت و

قدر و قیمت کو سمجھیں اور ان کے اندر اس کے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اس نو ماوراء روشنی سے وہ بھی
 حصہ لے سکیں جس سے آپ کی اس تعلیم و ہدایت کے ذریعہ صحابہ کرام کو حصہ ملا تھا۔ اس لئے خاص علیؑ
 اور دوسری بحثوں سے دانستہ بچا گیا ہے اور اپنی بساط پھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا بس
 مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طریقے پر حسب ضرورت اس کی رُوح اور
 حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آئین اور رُفیع یدین جیسے اختلافی مسائل کے بارے میں ناظرین کو ذہنی انتشار اور
 پریشان دماغی سے بچانے کے لئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو اسکان بھراس کی کوشش کی گئی ہے کہ
 مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے۔۔۔۔۔ اب اس میں جو صحیح اور صواب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق
 سے ہے اور جو غلط ہے وہ اس ناقص العلم کے علم و فہم کا قصور ہے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح سے لگی ہیں
 اور تخریج میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے نیز اسی کی پیروی میں طرز بھی اختیار کیا گیا جو کہ جو
 حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم سے لی گئی ہے وہ حدیث کی اگرچہ دوسری کتابوں میں بھی ہو
 لیکن حوالہ صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم ہی کا لیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان میں سے
 کسی ایک میں ہونا بھی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے۔۔۔۔۔ بعض حدیثیں
 ”مع الفوائد“ سے بھی لی گئی ہیں اور چند ”کنز العمال“ سے بھی، لیکن ان کے لئے کنز العمال کا
 حوالہ التزاماً دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ بعض حدیثیں براہ راست صحاح کی کتبوں
 صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے لی گئی ہیں، یہ وہی
 حدیثیں ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشافہ یا مع الفوائد میں نہ درج ہوئیں ہیں۔

جس کا پہلی دو جلدوں کے دیباچہ میں ہی لکھا جا چکا ہے چونکہ اس سلسلہ (مشافہ)
 کا اصل مقصد دعوت الیہ تکبیر و تفہیم ہے اس لئے متن حدیث کے ترجمہ میں غویٰ ترکیب اور
 لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، بلکہ حدیث کے مقصد اور پیام کو واضح کرنا
 پیش نظر رکھا گیا ہے، اور اسی نقطہ نظر سے کسی حدیث کو مقدم یا مؤخر کیا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔

حدیث نبویؐ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و کد میں سیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے بڑھایا سنا جائے کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپؐ نہایت ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان فوائد و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو حد نبویؐ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دُعا مانگی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری لکھ اللہ کی حمد ہے اور اس خدمت کے اتمام کیلئے خیر توفیق کی

استدعا۔ اور

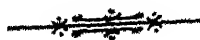
غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا!

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و ملجاء

ماہر و مہنگا بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یکم رمضان ۱۳۶۳ھ — ۵ جنوری ۱۹۶۵ء



کتاب الطہارۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طہارت و پاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی حیثیت صرت ہی نہیں ہے کہ وہ نماز، تلاوت قرآن اور طہارت کعبہ جیسو عبادات کے لیے لازمی شرط ہے مگر قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچائے و دیکھو دین کا ایک پرستویہ اور بذات خود بھی مطلوب ہے قرآن مجید کی آیت "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُنْظِرِیْنَ" (اے اللہ تو برگشتہ لوگوں سے محبت کرتا ہے) پاک و صاف رہنے والے اپنے بن و دل کو محبوب رکھنا ہے اور قربا کر بھی میں رہنے والے الی امان کی ترمیم میں قرآن مجید کا ارشاد "فَبَدَا نَبَاٌ یُّحْثُوْنَ اَنْ یَّسْلُکُوْا اللّٰهَ یُحِیْثُ الْمُنْظِرِیْنَ" (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک و صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے)۔ صرت ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح آگے پہلے ہی منبر و محفل کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس کے پہلے فقرے "أَلْطَهْرُ شَطْرُ الْإِيمَانِ" کا گویا لفظی ترجمہ بھی یہ ہے کہ طہارت و پاکیزگی اسلام کا صرف ایک حکم ہی نہیں ہے بلکہ وہ دین و ایمان کا اہم جزو ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس کو نصیب ایمان فرمایا گیا ہے۔ ہمارے استاد الاساتذہ اور شیخ الشیخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ایک نفیس تحقیق یہاں قابل ذکر ہے۔ اپنی بے نظیر کتاب "حجة الله البالغة" میں فرماتے ہیں کہ :-

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ غلات و سعادت کی جس شاہراہ کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے اہاب ہیں اور ہر باب کے تحت سیکڑوں ہزاروں احکام ہیں۔ لیکن اپنے بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی منازل کے تحت آجاتے ہیں۔ طہارت، اخبات، سماحت، عدالت۔

پھر شاہ صاحبؒ نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت بس ان ہی چار اصولوں میں منقسم ہے۔

یہاں ہم شاہ صاحبؒ کے کلام کے صرف اس حصہ کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انہوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہت کے بغل تھاقلو

سے مطلوب اودمان میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اگر کو
پیشاب یا پاخانہ کا سمت تقاضا کرتا ہے یا وہ جماع وغیرہ سے فاسخ ہوا بخار ہو
تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض و تکدر اور گرانی دے لطفی اور اپنی
طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، بھرجیب وہ اس حالت
سے نکل جاتا ہے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کا جو سمت تقاضا تھا اس سے وہ فاسخ ہو جائا
ہے اور اچھی طرح استبعاد ٹھارت کر لیتا ہے۔ یا اگر وہ جماع سے فاسخ ہوا تھا تو
مضل کر لیتا ہے اور اچھے صحت تھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے
ترفص کے انقباض و تکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور
اس کے سہائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح و انبساط اور مسرور و فرحمت
کی کیفیت محسوس کرتا ہے..... پس دراصل پہلی کیفیت دور حالات کا نام
حدث " (نا پاک)، اور دوسری کا نام طہارت " (پاک) دیا گیا ہے، اور
ان دونوں میں جن کی فطرت سلیم اور جن کا وہ جان صحیح ہے وہ ان دونوں حالتوں
اور کیفیتیوں کے فرق کو واضح طور سے محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے
تقاضے سے حدث کی حالت کو نا پسند اور دوسری کو (یعنی طہارت) کی حالت
کو پسند کرتے ہیں۔

اور نفسِ انسانی کی یہ ہمارے کی حالت لا اعلیٰ یعنی فلسفہ اشرفی
حالت سے بہت متاہست و مناسب رہتی ہے۔ کیونکہ وہ دینی طور پر بھی
آزادگیوں سے پاک مان اور اپنی ذرا فی کیفیات سے شاداں و ذرا حال ہے۔
اور اسی لیے سب امکان ہمارے رہا کیونکہ کا اہتمام و درام انسانی روح کو کوئی
کمال سے حاصل کرنے اور اہتمام و ذرا کیفیات کے ذریعہ لا اعلیٰ سے استفادہ
کرنے کے قابل بنادیتا ہے اور اس کے برعکس جب آدمی حدیث

اور ناپاکی کی حالت میں دوبارہ ناپا ہے تو اس کو یہ تین سے ایک مناسبت ملتی ہے۔
حاصل ہوا جاتی ہے اور نیتانی در اس کی قبولیت کی ایک خاص منفرد اور مطلق
اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے۔

(حجۃ اللہ الباقی ص ۱۱)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طہارت اور حدیث در اصل اتنی روح اور
طبیعت کی مذکورہ بالا حالتوں کا نام ہے اور ہم جن چیزوں کو حدیث یا طہارت یا
پاکیزگی کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب و موجبات ہیں اور شریعت ان ہی اسباب پر احکام
جاری کرتی اور انہی سے بحث کرتی ہے۔

امید ہے کہ طہارت کی حقیقت اور روح انسانی کے لیے اس کی ضرورت و اہمیت
سمجھنے کے لیے شاہ صاحب کا یہ کلام انتہا ارشاد کافی ہوگا۔ نیز اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ
طہارت و پاکیزگی شریعت کا پورا چوتھا (۱/۴) حصہ ہے۔

پھر اسی کتاب "حجۃ اللہ الباقی" کے ایک دوسرے مقام پر جہاں طہارت کے احکام
اور ان کے اسرار ہی کا بیان ہے فرماتے ہیں:-

طہارت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک حدیث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں
عقل یا دماغ واجب یا مستحب ہے۔ ان حالتوں میں عقل یا دماغ کے مشہوری
طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا)۔ دوسرے ظاہری نہایت اور پلیدی سے جسم اپنے
پیشوں کو یا لگے کو پاک کرنا۔ تیسرے جسم کے غفلت حصول میں جو گندگی
اور میل کھیل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی صفائی کرنا دیکھو، انہوں کی صفائی ناک کے
نخنوں کی صفائی، ناخن اور زیرات بالوں کی صفائی،

آٹے طہارت کے مطلق جو حدیث درج ہوں گی ان میں سے بعض کا قلعن مطلق طہارت سے ہوگا جو ان تینوں قسموں پر حاوی ہے۔ ۱۔ بعض کا قلعن کن ایک خاص قسم سے ہوگا۔ اس تہیدی بیان کے بعد اب طہارت سے مطلق حائش پڑھیے۔

طہارت جزو ایمان ہے :

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُوا دِينَكُمْ دِينُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مَمْلَأُ الْإِيمَانِ وَهُوَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ أَوْ مَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْمَلَكُوتِ نُورٌ وَالْقُدْرَةُ تَبْزُهُادُ وَالْقُدْرَةُ صَاءُ الْقُرْآنِ نَجْنَةُ لَكَ أَوْ عَلِيَّةُ كُلِّ النَّاسِ بَعْدُ وَفَبِأَبْعَ نَفْسَهُ مُعْتَقِدًا أَوْ مُؤَبِّقَهَا

رواہ مسلم

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دین اسلام دین ایمان ہے اور کلمہ الحمد لله میزان اعمال کو بھر دیتا ہے اور سبحان الله والحمد لله بھر دیتے ہیں آسمانوں کو اور زمین کو اور نماز نور ہے اور صلوٰۃ دلیل و برہان ہے اور معتبر افعال ہے اور قرآن یا قرآن مجید ہے حق میں با محنت ہے تمھارے خطاں۔ ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں اس کا صریح پہلا جزو اور

پہلا فقرہ رَأَوْهُ شَطْرَ الْإِيمَانِ، طہارت سے متعلق ہے اور اس کی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں کتاب الطہارۃ میں درج کی جاتی ہے شَطْرُ کے معنی نعت اور آدھے کے ہیں، بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں رَأَوْهُ بِضَعْفِ الْإِيمَانِ ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس ماجز کے نزدیک شَطْرُ نعت و وزن لفظوں کا مطلب بیان یہی ہے کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اس کا اہم شعبہ اور حصہ ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کا جو کلام اور نقل ہوا ہے اُس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت و پاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا اجر و ثواب اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی ہے تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اُس یقین کا اظہار اور اس کی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اُس بات سے پاک اور برتر ہے جو اس کی شانِ الوہیت کے مناسب نہ ہو۔ اور تحمید یعنی الحمد شکر کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اُس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات ہیں کی بنا پر کسی کی حمد و ثنا کی جا سکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہیں اور اس لیے ساری حمد و ثنائیں اس کے لیے ہے۔ یہی تسبیح و حمد حق تعالیٰ کی زبانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود اُن ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے "لَا تَسْبِيحُ بِحَمْدِكَ" (خداوند! ہم تیری حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔)

پس ان انوں کے لیے بھی بہترین وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے
اور سارے عالم کے خالق و پروردگار کی حمد و تسبیح کریں۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اسی کی ترغیب کے لیے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزان
اعمال کو بھر دیتا ہے۔ اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمد شریعت بھی مل جائے تو ان دونوں
کا نور زمین و آسمان کی ساری نضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

"سبحان اللہ" سے میزان اعمال کا بھر جانا اور "سبحان اللہ و الحمد" شریعت سے آسمان
زمین کا معمور ہو جانا، یہ اُن حقائق میں سے ہے جن کے ادراک کا حصہ یہاں ہم سب
کو نہیں دیا گیا ہے۔ اِن اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں پر اس قسم کی حقیقتوں کو کبھی
کبھی یہاں بھی منکشف فرمادیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، ان کا یقین کریں اور اُن سے عمل
کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے نماز کے بارہ میں فرمایا ہے کہ "درہ نور"۔ اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا
ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی ہر گت سے تلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کے
وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں، پھر اسی نور کا ایک اثر یہ
ہوتا ہے کہ آدمی کو وحش و منکرات سے بچتا ہوا چلتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے
"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَالْأَنْفُسَ الَّتِي أُوتِيْتُمُوهَا فَتُؤْتُوا بِهَا سَبْعِينَ مِائَةً أَلْفًا مِائَةً" (نور ۱۷۷)۔
آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے، اور آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس
نورانیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ دلوں کی اندھیروں میں نماز و رشتی اور اُجلا لہن کر نماز کے
ساتھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "تُؤْتِيهِمُ اللَّهُ كَيْفَ يُنْفِقُ يَنْفِقُ أَكْثَرَ أَنْ يَنْفِقُ" (نور ۱۷۷)۔
اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب اُن کے اعمال کا نور
(دور تا دور)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل و برہان ہے۔ اس دنیا میں صدقہ کے برہان ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مومن و مسلم ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے۔ "گر ذرا طلبی سخن درین است"۔ اور آخرت میں اس خصوصیت کا فلو اس طرح ہوگا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندہ کے صدقہ کو اُس کے ایمان اور اُس کی خدا پرستی کی دلیل اور نشانی مان کر اس کو انعام کا نوازاجاے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصبہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ "ضیاء" یعنی روشنی اور اُجھلا ہے۔ بعض حضرات نے نماز اور عبادت کی بنا پر بھی یہاں لفظ صبر سے روزہ مراد لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصلی اور وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن و حدیث کی زبان میں صبر کے اصلی معنی ہیں "اللہ کے حکم کے تحت شکر کی خواہش اور اس بات پر اکتفا کرنا" اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا۔ اس لحاظ سے تو زیادہ بڑی و بڑی بات کی

اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، تہجد اور جہاد اور ان کے علاوہ اللہ کے لیے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبا دے رکھنا سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ صبر ضیاء ہے۔ قرآن مجید میں پانچ کی روشنی کو "نور" اور سورج کی روشنی کو "ضیاء" فرمایا گیا ہے اِنَّهُ الَّذِي خَلَقَ الضُّمُورَ وَ الَّذِي يَخْتَارُ النَّوْازِیَ۔ (روشنی، ع ۱) اس لحاظ سے صبر اور تہجد سے پیدا ہونے والی روشنیوں میں وہ نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے

کہ یا تو وہ تمھارے واسطے اور تمھارے حق میں دلیل و حجت ہے یا تمھارے خلاف!۔۔۔
مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا ہدایت نامہ ہے۔ اب اگر تمھارا
تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت و احترام اور اتباع کا ہوگا جیسا کہ ایک صاحبِ یگانہ
کا ہونا چاہیے تو وہ تمھارے لیے شاید وہ دلیل بنے گا اور اگر تمھارا رویہ اس کے برخلاف
ہوگا تو پھر اس کی شہادت تمھارے خلاف ہوگی

ان تنبیہات و ترغیبات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں ارشاد
فرمایا ہے کہ "اس دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شغل میں زندگی گزار رہا ہو
وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا ضرور کرتا ہے، پھر یا تو وہ اس کو نجات
دینے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی
ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے۔ اگر وہ اللہ کی بندگی اور غلامی والی زندگی گزار رہا
ہے تو وہی تجارت سے لینے پونے میں نہ کہ ہارنے اور ہار کی نجات دینا یا ہارنا
ہے اور اگر اس کے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزار رہا ہے بہت زودہ اپنی
تباہی اور بربادی کا رہا ہے اور اپنی دوزخ بن رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ الٰہی ہم کو ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وہم کی ان ترغیبات و تنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ناپاکی سے عذاب و قبرا۔

(۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِقَبْرِينِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُمَا لَيَعَذَّبَانِ وَسَأُعَذَّبَانِ بِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا
فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِلُ فِي رَقَابَتِهِ يَسْلُمُ لَا يَسْتَنْزِلُ مِنْ الْجَبَلِ
وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ حَبْرِيَّةً

رَطْبَةً فَتَقْتُلُهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ عَزَّ رَبِّي كُلَّ قَبْرٍ أَحَدًا
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا؟ نَقَالَ لَأَعْلَمَنَّ أَن
يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَنْبِئَا رواه البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو دو آدمی ان
قبروں میں مدفون ہیں ان پر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے
یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہو تا یعنی جس سے بچا بہت
دشوار ہوتا، بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیے جا رہے
ہیں جس سے بچنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا، ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ
پیشاب کی گندگی سے بچاؤ کی یا پاک صاف رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا
تھا۔ اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ وہ چنلیاں لگا آ پھر کرتا تھا۔ پھر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے
کیا، پھر ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ
آپ نے کس مقصد سے کیا؟ آپ نے فرمایا، امید ہے کہ جس وقت تک شاخ
کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی
جائے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عذاب قبر کے بارے میں اُصولی بحث اس سلسلہ کی پہلی جلد میں کی جا چکی
ہے اور وہیں وہ حدیثیں بھی ذکر کی جا چکی ہیں جن میں صراحتہً فرمایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی
صحیح پکار کو اس پاس کی دوسری سب مخلوق سنتی ہے۔ لیکن جن دامن عام طور سے نہیں سنتے
اور وہیں اس کی حکمت سمجھی تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے، نیز وہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث
نقل کی جا چکی ہے جس میں بعض قبروں کے عذاب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلع

ہونے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔۔۔ پس یہ واقعہ جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے
یہ بھی اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔۔۔ اشرِ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب
کی بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کراتا اور بہت سی ایسی آوازیں سنوا دیتا ہے جن کو عام
انسانوں کی آنکھیں اس عالم میں نہیں دیکھتیں اور اُن کے کان نہیں سنتے۔۔۔ بہر حال یہ
بھی اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مباحثوں کے عذاب کا
سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے، ایک کے متعلق بتایا کہ وہ جھٹی کرتا پھرتا تھا۔
جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک فرائض صلت
یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے "وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ يَوْمٍ فَتْرَةً"۔
ہمناخ متساو بنینیم (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب حبار سے
مردی ہے کہ تو رات میں چٹخوڑی کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔

اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بھاؤ
اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا تھا (لَا يَتَوَضَّأُ وَلَا يَتَوَضَّأُ)۔ دونوں کا
حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس موث پر لاینت پڑی
بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے
راہِ اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے، بچنا، یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے
کی کوشش کرنا اشرِ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اس میں کوتاہی اور بے احتیاطی
ایسی مصیبت ہے جس کی سزا آدمی کو قبر میں جگہ تہی پڑے گی۔

۱۔ اور مت انہیں شخص کی بات جو دھوٹ بدلنے میں بے باک اور بے تمانا تھیں کھلنے کا عادی ہے اور
عیب مبینی اور چٹخوڑی جس کا شغل ہے ۲۔ ذکرہ الشيخ عبدالحق فی شرح المکھوۃ۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیج میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ اور بعض صحابہ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اُس وقت تک کہ لیے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔ اس کی ایک توجیہ بعض شامین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری یا پانی رہتی ہے اُس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اُس وقت تک وہ اللہ کی تسبیح و حمد کرتی رہتی ہے۔ گویا قرآن مجید کی آیت وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا لِنُسَبِّحَهُ بِحَمْدِهِ کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اُس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اس کی حمد و تسبیح بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپ نے کھجور کی شاخ کے دو ٹکڑے ان قبروں پر اس لیے گاڑے کہ ان کی تسبیح و حمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائے اور آپ نے ان ٹکڑوں کے خشک ہونے تک تخفیف عذاب کی جو امید ظاہر فرمائی اس کی بنیاد بھی بس یہی تھی۔ لیکن اکثر شامین نے اس توجیہ کو غلط قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہ توجیہ بالکل غلط بلکہ محل ہے۔ ذرا ذرا کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپ نے یہ کام اس نقطہ نظر سے کیا ہوتا تو کھجور کی شاخ جیر کے آپس کے ٹکڑے قبروں پر نصب نہ کرتے کیونکہ وہ تو دو چار دن میں خشک ہو جاتے ہیں بلکہ اس صورت میں آپ ان قبروں پر کوئی پودا نصب کر دیتے جو ہر سال تک ہر وقت رہتا۔ دوسری دلیل اس توجیہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام نے آپ کا منشا اودھ نقطہ نظر یہ سمجھا ہوتا تو وہ سب ایسا ہی کیا کرتے اور ہر قبر پر شاخ نصب کرنے بلکہ درخت لگانے کا اس دور میں عام رواج ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بہر حال حضور کے اس عمل

اور اس ارشاد کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے، اور پھر اس توجیہ کی بنیاد پر بزرگانِ دین کے مزارات پر بار پھول پڑ جانے کی منشا کا یہ بسم کا جواز کمالِ توروجِ اسلامی پر سخت ظلم ہے۔

پس صحیح توجیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل اور ارشاد کی یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اُن مردوں کے لیے تخفیفِ عذاب کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا کہ آپ اس طرح ایک ہری شاخ کے دو حصے کر کے ان قبروں پر ایک ایک گاڑ دیتے ہیں جب تک ان میں تری رہے گی اس وقت تک کے لیے ان کے عذاب میں تخفیف کو دی جائے گی۔۔۔ صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں بھی دو قبروں کے عذاب کا ذکر ہے اور وہ دوسرا واقعہ ہے۔ وہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ حضور نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ ان دو درختوں میں سے دو شاخیں کاٹ کے فلاں جگہ ڈال دو! حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، اور جب آپ سے اس کی بابت میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہاں دو قبریں ہیں جن پر عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیفِ عذاب کی استدعا کی تھی البتہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بات قبول فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔۔۔ بہر حال حضرت جابر کی اس روایت سے یہ بات صراحتاً معلوم ہو گئی کہ ہری شاخوں کو یا ان کی تری کو عذاب کی تخفیف میں کوئی خاص دخل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات فرمائی گئی تھی کہ آپ کی دعا کی وجہ سے ہم اتنی مدت کے لیے ان کے عذاب میں تخفیف کر دیں گے۔۔۔ پس اصلی چیز یعنی حضور کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بنا پر ایک محدود مدت تک کے لیے تخفیف کا فیصلہ۔

شاید جن نے ان حدیث کی شرح میں اس پر بھی گھٹکھو کی ہے کہ یہ دو قبریں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑے، مسلمانوں کی عقیں یا غیر مسلموں کی؟ اور پھر ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی عقیں، اس کا ایک واضح قرینہ

خود اسی حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپ نے عذاب کا سبب چغفوری کی عادت اور پیشاب کے معاملہ میں بے احتیاطی اور لاپرواہی بتایا ہے، حالانکہ اگر یہ قبریں کافروں کی ہوتیں تو عذاب کا سب سے بڑا سبب ان کا کفر اور شرک بتلایا جاتا۔ — علاوہ ازیں مسند احمد میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں بقیع میں تھیں اور آپ نے بقیع سے گزرتے ہوئے ان قبروں کے عذاب کو محسوس کیا تھا۔ اور معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں بقیع مسلمانوں ہی کا قبرستان ہے۔ — بہر حال ان سب قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں۔ — واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کا خاص سبب اور اس کی خاص ہدایت یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے اور جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور چغفوری جیسی منافقانہ و فسادانہ عادت سے بچا جائے ورنہ ان دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ قبر میں بھگتنا ہو گا۔ — اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا! —

قضاء حاجت اور استنجے سے متعلق ہدایات :-

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ أَعْلَمُكُمْ إِذَا أَنْتُمْ الْغَائِطُ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَشْتَبِرُوهَا، وَأَمْرٌ بِثَلَاثَةِ أَجْزَارٍ وَنَهَى عَنِ الرَّوْنِ وَالرَّمَةِ وَنَهَى أَنْ يَسْتَطِيبَ الرَّجُلُ يَمِينَهُ۔ — رواه ابن ماجه والدارمي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں تم لوگوں کے لیے مثل ایک باپ کے ہوں

اپنی اولاد کے لیے (یعنی جس طرح اولاد کی خیر خواہی اور ان کو زندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے) اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے۔ اسی لیے، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم فضلے حاجت کیلئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ اس کی طرف پشت کر کے (بلکہ اس طرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو نہ تمہاری پیٹھ ہو)۔ (حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ) اور آپ نے استنجے میں تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا، اور منہ فرمایا استنجے میں لید اور ڈھری استعمال کرنے سے۔ اور منہ فرمایا دہسنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے۔

(سنن ابن ماجہ و دارمی)

(۴) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيلَ لَهُ قَدْ عَلَّمَكُمُ نَبِيُّكُمْ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلَّ شَیْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةِ قَالَ فَقَالَ جَعَلْتُ لَقَدْ نَسَانَا اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمَنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِاَقْلٍ مِنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَابٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِیحٍ اَوْ بِعَظْمٍ

رواہ مسلم

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمہارے وطن کے طور پر، ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر صاحب نے تو صلی اللہ علیہ وسلم، تم لوگوں کو ساتھی ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی!)۔ حضرت سلمان نے ان سے کہا ہاں بیشک (انہوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے۔ اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ چنانچہ) انہوں نے ہم کو اس سے منہ فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں۔ یا یہ کہ ہم دہسنے ہاتھ سے استنجا کریں، یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں۔ یا یہ کہ

کرنے کی ضرورت ہے تو وہ اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیثوں میں استنجے کے لیے خاص پتھر کا ذکر اس لیے آتا ہے کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے، ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اسی طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام لیا جاسکتا ہے جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو۔ اور اس کا استعمال اس کام کے لیے نامناسب نہ ہو۔

چوتھی روایت آپ نے اس سلسلہ میں یہ دی کہ کسی جانور کی گری پڑی پڑی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ سے استنجا نہ کیا جائے۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجا کر لیا کرتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہ اس سے منع فرمادیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا ہر سلیم الفطرت اور صاحب تہیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوارہ پن کی بات ہے۔

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى الْخَلَاءَ أَكْبَنَتْهُ بِمَاءٍ فِي قَوْرِ أَوْ رُكْوَةٍ فَاسْتَنْجَى ثُمَّ مَسَحَ يَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ أَكْبَنَتْهُ بِيَانٍ أَخْرَجَ فَتَوَضَّأَ

رواہ ابو داؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپ کو پانی لا کے دیتا تھا۔ پانی کے برتن قور میں (جو کانسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپ اُس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر میں دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو اس سے آپ وضو فرماتے تھے

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے

قَالُوا تَوَضَّأُوا لِلصَّلَاةِ وَتَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَتُسْتَبِشِي بِالْمَاءِ
قَالَ فَهَؤُذَا لَكُمْ فَعَلَيْكُمْ حُكْمٌ _____ رواه ابن ماجہ

حضرت ابوالجہل انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم
سے روایت ہے یہ تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبلہ کے بارہ میں جب
(سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی ”فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّخِذُوا
وَاللَّهُ يَتَّخِذُ الْمُظْهِيرِينَ“ (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بہت
پاکیزگی پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند بندوں سے محبت کرتا ہے) تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس مسجد میں نمازیں پڑھنے والے اور اس کو
آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا۔ اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ نے طہارت
و پاکیزگی کے لئے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور
پاکیزگی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس
کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت کا
 غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنہا کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے
استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہمد میں پانی سے بھی استنہا کرتے ہیں) آپ نے
فرمایا بس یہی بات ہے، پس تم اس کو اپنے اوپر لازم کرو۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنہا کرنے پر اکتفا کرتے
تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور ہضم کی دینی
کی وجہ سے جان لوگوں کو اجابت اونٹ کی میٹھنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اس لیے استنجہ
میں ان کو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ صرف پتھر کے
استعمال پر اکتفا کر لیتے تھے۔ لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، قرآن مجید

ایک تیسری جگہ موارء کا بھی ذکر ہے جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انخام ہو اور اس کی وجہ سے لوگ وہاں آتے جاتے ہوں۔ اصل مقصد حضور کی ہدایت کا یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آجائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور ان کے لیے باعث تکلیف نہ بنے۔

(۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارَادَ الْبَرَاءَةَ انْطَلَقَ حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ ————— رواه البخاري

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کو قضاء حاجت کے لیے باہر جانا پڑتا تو اتنی دور اور ایسی جگہ تشریف لے جاتے کہ کسی کی نظر آپ پر نہ پڑ سکتی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شرم و حیا اور شرافت کا جوادہ و دعوت رکھا ہے اس کا تقاضا ہے کہ انسان اس کی کوشش کرے کہ اپنی اس قسم کی بشری ضرورتیں اس طرح پوری کرے کہ کوئی آنکھ اس کو نہ دیکھے، اگرچہ اس کے لیے اس کو دور سے دور جانے کی تکلیف اٹھانی پڑے، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔

(۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَقُولَ فَاقِي مِثْلَ أَصْلٍ جِدَارٍ فَبَالَ تَعَرَّ قَالَ إِذَا ارَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقُولَ فَلْيُرْتِدْ لِبَوْلِهِ

رواه البخاري

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو آپ ایک دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی زمین کی طرف آئے اور وہاں پیشاب سے فارغ

بھٹے۔ پھر اپنے فریاد کہ جب تم میں سے کسی کو پیشاب کرنا ہو تو اس کے لیے
ناسب جگہ تلاش کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پیشاب کے لیے ایسی جگہ تلاش کر کے بیٹھنا چاہیے جہاں
بھی ہو اور اپنے اوپر چھینٹیں پڑنے کا خطرہ بھی نہ ہو اور ٹرخ بھی غلط نہ ہو۔
اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اس کے اُس پاک سنیر پر جس نے اُمت کو پیشاب
پاخانے تک کے آداب سکھائے۔

(۱۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِلُنَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْقَعَةٍ ثُمَّ يَغْتَسِلُ
فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ وَفَاتَ عَامَّةُ الْوُضُوءِ مَبْنَةً.

رواہ ابی داؤد

حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانہ
میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے کیونکہ اکثر دوسرے اسی
پیدا ہوتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز ہی غلط اور بُری پہ تیزی کی بات ہے کہ
آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے ایسا
کرنے کا ایک بُرا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے دوسرے پیدا ہوتے
ہیں۔ اس آخری جملہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس ارشاد کا تعلق اسی صحت سے ہے جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے
ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ
اس میں پیشاب کے لیے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اس کا فرش ایسا بنا لیا گیا ہے کہ پیشاب کرنے

کے بعد پانی سے بہا دینے سے اس کی پوری مغفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اس کا حکم یہ نہیں ہے۔

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُوتُ مَنْ أَخَذَكُمْ فِي جُحْفٍ رواه ابو داود و ابن ماجہ
حضرت عبداللہ بن سرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔
(سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

(تشریح) جگہ میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً شتر عظامین کے ہوتے ہیں، اگر کوئی گنوا ر آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تھوڑی سی زمین پر پہنچنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ ٹھیکہ ہوگی، اور سوسے یہ بھی خطر ہے کہ وہ سوراخ سانپ بھو بھی کسی زہری چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کیے گئے ہیں، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو اس کے ہر طبقہ کے لیے اہل مرقی اور مذہم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے بتا کر منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دعا:-

(۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشُ مَحْفُظَةٌ فَإِذَا أَنْ أَخَذَكُمْ الْخَلَاءُ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْغَيْبِ وَالْغَبَابِثِ۔

رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علیہ وسلم نے فرمایا، قضاے حاجت کے ان مقامات میں غیبت مخلوق شایطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلا، جاوے تو چاہیے کہ پہلے یہ دُعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں غیبتوں سے اور غیبتوں سے۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس طرح فلک، کہ طہارت و لطافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور زمین، ان کا بھی لگتا ہے اسی طرح شایطین جیسی غیبت مخلوق کا گو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی اُن کے مرکز اور پھپھی کے مقامات ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کہ یہ تعلیم دی کہ قضاے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے غیبتوں اور غیبتوں کے شمس اللہ سے پناہ مانگے اُس کے بعد وہاں قدم رکھے۔ ہم محرم کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر عبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور اُن کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شایطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق و مصدق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیقتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضا و حاجت کے فانی ہونے کے بعد کی دُعا:-

(۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا اخْتَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ "عَفْرَانِكَ" رواه الترمذی وابن ماجہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ حاجت سے فانی ہو کر بیت الخلا سے باہر

آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "لَا تُخْزِنَا اِنَّكَ" (اے اللہ تیری پوری مغفرت

(ترذی و سنن ابن ماجہ)

کا طالب رہا ہوں)

(تشریح) قضا و حاجت سے خارج ہونے کے بعد آپ کی اس مغفرت طلبی کی متعدد وجوہیں
کی گئی ہیں "ان میں سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی وجہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے
کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر ان کے لیے ایک قسم کے انقباض
اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اس سے طح طح کی تکلیفیں اور
بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقلص کے مطابق پوری طح خارج ہو جائے تو آدمی
ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراحِ محسوس کرنا سہ اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے
اسی طح بھنا چاہیے کہ صبح احساس رکھنے والے خارجین کے لیے بالکل ہی حال
گناہوں کا ہے وہ جیسی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے
زیادہ گناہوں کے بوجھ اور ان کی گزنی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے
بار سے اپنی پیٹھ کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام
انسان کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہو جانے کی، پس رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جب اس بشری تقلص سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت
ہلکی اور منشرح ہوتی تو ذکر و بالا احساس کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس
طرح تو نے اس گندے فضلہ کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا
اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر
میری رُوح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیٹھ کو ہلکا کر دے۔

یہ سوال کہ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود اور "لَا تُخْزِنَا اِنَّكَ اللَّهُ
مَا تَقْدَرُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُذُ" کے مسترانی اعلان کے بعد بھی آپ اپنے
گناہوں سے استغفار کیوں فرماتے تھے تو اس کا جواب تفصیل سے انشاء اللہ کے کتاب

میں تنہا کے بیان میں آئے گا۔

(۱۴) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ أَلْحَنَدُ لِلَّهِ الَّذِي آخَذَ هَبْ غَيْقُ الْأَذَى وَعَافَانِي _____ رواه النسائي

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضا حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلا سے باہر تشریف لاتے تو کہتے "أَلْحَنَدُ لِلَّهِ الَّذِي آخَذَ هَبْ غَيْقُ الْأَذَى وَعَافَانِي" (سنن نسائی)

(تشریح) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ادب والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپ بیت الخلا سے باہر آ کر "خُفِرَ اَنَاقُ" کہتے تھے اور حضرت ابو ذر غفاری کی اس حدیث سے یہ دوسری دُعا معلوم ہوئی۔ _____ واقعہ یہ ہے کہ معصوموں کے لہان سے یہ دونوں دُعائیں موقع کے بہت مناسب اور بر محل ہیں اس لیے خیال یہ ہے کہ کبھی آپ یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم۔



وضو اور اسکے فضائل و برکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل سے یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ محدث کی حالت میں۔۔۔۔۔ یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے اُن کا وضو ٹوٹ جائے۔۔۔ تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت و کدورت اور ایک طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل محدث دراصل یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اسی کے ازالہ کے لیے وضو مقرر فرمایا ہے۔۔۔ جن بندوں نے بہیمیت کے مغلی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے طبع و روحانی احساسات کو فنا نہیں کر لیا ہے وہ محدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت و کدورت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہی محسوس کرتے ہیں کہ غصے کی کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اسی وجہ سے اس کو تازہ یعنی باگاہ الہی کی خاص خصوصیت کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں۔۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اُمت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اُسی طرح آپ نے اُس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ:-

(۱۵) عَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ بِأَخْصَنِ الْأَوْتَعِ ثُمَّ نَسِيَ
خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدٍ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَنْفِهِ ؟
..... رواه ترمذی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور بٹائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہ ہو تو اس کے
وضو کیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بیان کیا کہ اس کے پاؤں کے

نیچے سے بھی صحیح بخاری و صحیح مسلم
(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق
باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے آداب و سنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو
کرے گا تو اس سے صرف اعضائے وضو کی سیل کھلے اور حدیث دان باطنی ناپاکی ہٹا دی جائے گی اور
نہ ہوگی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور
وہ شخص حدیث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا۔
آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوگی۔

(۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ وَالْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ
مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ
قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَتْ
بِطَشْتِهَا يَدَا مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ
خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَسَّتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ
الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ لَيْقِيًا مِنَ الذُّنُوبِ رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوئے اور اس پر اپنی دالیاں نہ لپکائی جائیں تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ مائے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا دھو لیا جاتا ہے) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوئے گا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہوں گے اور دھو لیا جائے گا جس کے ہاتھوں سے ہوئے، اس کے بعد جب وہ اپنی پاؤں دھوئے گا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جائے گا جس کے پاؤں سے ہوئے اور چپا کے لیے اس کے پاؤں سے ہاتھوں سے ہوئے یہاں تک کہ وضو نہ ختم ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہاں چند باتیں دعاست طلب ہیں۔

(۱) مندرجہ بالا دونوں بیانیوں میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور دھو لیا جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گناہ میل کھیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے جو پانی کے ساتھ نکل جائے اور دھو لیا جائے۔ بعض شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صبرت نہی فی اور بخشش ہے۔ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اُس کا ظہنی اثر اور اس کی صورت پہلے اُس عضو میں اور پھر اس شخص کے دل میں قائم ہو جاتی ہے، پھر جب اللہ کے حکم سے اُس اپنے کو پاک کرنے کے لیے وہ بندہ سنن و آداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جس جس عضو سے اُس نے گناہ کیے ہوتے ہیں اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور جو غلبتیں اس کے اعضا اور اس کے قلب میں قائم ہو چکی ہوتی ہیں، وضو کے پانی کے ساتھ وہ سب دھو لیا جاتی اور نکل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہو جاتی ہے۔ یہی دوسری توجیہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ دہلی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کے ساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے دھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعضے گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں احضار و ضمہ کا استیفاء نہیں فرمایا ہے، بطور تمثیل کے آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔۔۔ اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام ایک اور امام نسائی نے عبد اللہ العنابی سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں گلی اور ناک کے پانی (مستشفیہ و مستشق) کے ساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا اور اسی طرح کانوں کے سر کے ساتھ کانوں کے گناہ نکل جانے کا بھی ذکر ہے۔

(۳) نیک اعمال کی یہ تاثیر کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور دہن کے داغ دھبوں کو دھو ڈالتے ہیں، قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے اِنَّ اَتَتْ نَسَابَ يُذْهِبْنَ الشَّيْءَاتِ (موجودہ ۱۰) یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔۔۔ اور احادیث میں خاص خاص اعمال حسد کا نام لے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے بھی گزر چکی ہیں اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں حضور نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے صرف معین و گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی بنا پر اہل حق اہل استہ سے کٹاؤں ہیں کہ اعمال حسد سے صرف صفائری کی تعمیر ہوتی ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ تَجْتَنِبُوا كُتُبًا يُّزَيِّنُ مَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ

عَنْهُ تَكْفُرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اگر تم کہاوتیں نہیات (بڑے بُرے

گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری

(الشارح ۵)

(محمولی، ہدایاں اور فطایح ہم تم سے

دفع کریں گے۔

الغرض مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے کھل جاتے اور وصال جانے کا ذکر ہے، اُن سے مراد صفائے باطن ہیں، کہاؤں کا معاملہ بہت سنگین ہے، اس ذہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

وضو جنت کے سارے دروازوں کی کنجی :-

(۱۶) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيَبْلُغُ أَوْ فَيَسْبِغُ أَوْ يُسَوِّئُهُ ثُمَّ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ مَعَهُ عَبْدًا وَرَسُولُهُ إِلَّا فَتَحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُهَا مِنْ أَتَمَّامَتِهَا

رداءہ سلم

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک سلسلہ کلام میں) فرمایا، جو کوئی تم میں سے وضو کرے اور پھر آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح، اور مکمل وضو کرے، پھر وضو کے بعد کہے: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، تو لازمی طور پر اُس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جائے گا۔

(تشریح) وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاء وضو کی صفائی ہوتی ہے، اس لیے عین بد وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاء وضو تو دھو لیے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی، لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری، اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی

کی گندگی ہے، اس احساس کے تحت وہ کلمہ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی
خالص بندگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کا گواہ بنے سر سے حمد کرتا ہے
اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کال مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور میں کہہ سکتا
ہوں فرمایا گیا ہے اس کے لیے جنت کے سات سو دروازے کھل جائیں گے۔

امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمہ شہادت کے یہ الفاظ
نقل کیے ہیں۔ "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"۔ نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمہ
شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ اجعلنی مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ کا بھی
اظہار ہے۔

قیامت میں اعضا و ضو کی نورانیت :-

(۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ أَمْرِي يُدْعَوْنَ كَيْدَمُ الْحَقِيقَةِ خَرًّا مَحْجَبِلِينَ مِنْ آثَارِ الْوَضْءِ
فَتَبَيَّاسُ طَاعٍ مَسْكُورٍ أَنْ يُطَوِّقَ خُحْرَتَهُ فَلْيُفْعَلْ۔

رواہ البیہقی و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میرے اُمتی قیامت کے دن ہاتھ جائز گے تو وضو کا اثر
ان کے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور متہر ہوئے گا۔ یہ تم میں سے جو کوئی
ان کے لئے وضو کرے گا وہ اس کی نیت بوجہ کے نیک عمل کے لئے دیا ضرور کرے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) وضو کا اثر ان کے ہاتھ اور پاؤں کی صفائی پر ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کی صفائی

صفائی ہو جاتی ہے اور اہل ادراک و معرفت کو ایک خاص قسم کی روحانی نشاط و انبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں (اداس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں میں) فرمایا ہے۔ قیامت میں دھنوکا ایک مہلک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا کہ دھنوکہ نے اسے آپ کے امتیوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں پر نشان اور تباہیاں برس گئے اور یہ اُن کا دل اس امتیازی نشان ہوگا۔ پھر جس کا دھنوکہ کا دل مکمل ہوگا اُس کی یہ نورانیت اور تابانی بھی اسی درجہ کی ہوگی اسی لیے حدیث کے آخر میں حضور نے فرمایا ہے کہ جس سے چہرے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا ہے جس کی صورت یہی ہے کہ دھنوکہ ہمیشہ فکر اور اہتمام کے ساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل رضوۃ۔

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 لَا أَدْرِكُكُمْ عَلَى مَا تَحْتَمِلُونَ بِهِ الْخَطَايَا وَتَزِفُكُمْ بِهِ الدَّرَجَاتِ
 قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اسْتَبَاحُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَ
 كَثْرَةُ الْخَطَايَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَابْتِغَاءُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ
 فَذَلِكَ الزَّبَاطُ فَذَلِكَ الزَّبَاطُ

حضرت (۱) ہر یہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو وہ اہمال بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور وہ بھی لہر فرماتا ہے؟ حاضرین صحابہ نے عرض کیا، حضرت ضرور بتلائیں۔ آپ نے انشاء فرمایا، (۱) کلین اللہ ناگاری کے باوجود وہی طرح کال فہر کرنا (۲) اور مسجدوں کی طرف قدم زیادہ بڑھنا (۳) اور ایک

نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا، یہی ہے حقیقی ریا آہی ہے اصلی ریا کا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین علوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ صاف ہوتے ہیں۔ اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے ایک سے زیادہ دھوکے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلاف سنت اختصار سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً سووی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، یا پانی کم ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر وضو کو تین تین دفعہ دھونے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لیے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیے جاتے ہیں۔ دوسرا عمل آپؐ بتایا "مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ پڑنا" یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا، اور نماز کے لیے بار بار مسجد کی طرف منہ کرنا، اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس کا حصہ اس سہادت میں اسی حساب سے زیادہ ہوگا۔ اور تیسرا عمل آپؐ بتایا "ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا اور دل کا اسی میں لگا رہنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "قُرَّةُ عَیْنِیْ فِیْ الْمَسَاجِدِ" والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپؐ فرمایا "یہی حقیقی ریا آہی ہے، یہی اصلی ریا آہی ہے۔" ریا آہ کے معنی، اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لیے جو محامدین سرحد پر متعین کر دیے جاتے ہیں ان کے وہاں پڑاؤ کرنا کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے۔ اس حدیث

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے ریابا "فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی فارت گری سے حفاظت کی بڑی حکم تدبیر ہے اور شیطان حلوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ٹکی سرحدات کی حفاظت کے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وضو کا اہتمام کمال ایمان کی نشانی :-

(۲۰) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اسْتَقْبِلُوا وَلَكِنْ تَحْضُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ عَمَلٍ لَكُمْ الصَّلَاةُ وَلَا
يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ

رداء مالک احمد داہن ماجہ الدارمی

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک چلو، صراطِ مستقیم پر قائم رہو، لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لیے، تم اس پر پورا قابو نہ پاسکو گے (لہذا ہمیشہ اپنے کو قصور دار اور خطا کار بھی سمجھتے رہو)، اور ابھی طرح جان لو کہ تمھارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لیے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت میں بندہ مومن ہی ہو سکتا ہے۔

(موطا امام مالک، مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ منہ کے مطابق اور آداب کی رعایت کے ساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ برابر با وضو رہے، شارحین نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کیے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس حدیث میں ”حافظت علی الموضوع“ کو کمال ایمان کی نشانی اور اہل ایمان و یقین کا عمل بتایا ہے۔

وضو پر وضو :-

(۲۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طَهْرٍ كَتَبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے طہارت کے باوجود یعنی با وضو ہونے کے باوجود تازہ وضو کیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ با وضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول و عبث نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جبکہ پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کرنی چاہی ہو جس کے لیے وضو ضروری ہے، اس لیے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہیے۔

ناقص وضو کے بُرے اثرات :-

(۲۲) عَنْ شُعْبَةَ بْنِ أَبِي رَجْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَوةَ الضُّمِّ فَقَدْ أَتَتْهُمُ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الطُّهُورَ وَإِنَّمَا يَلْبِسُونَ عَيْنَنَا الْقُرْآنَ أُولَئِكَ — رواه النائی

نسیب بن ابی روح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ حضور نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے ہودہ دم شروع کی تو آپ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور غل پڑ گیا جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، یہی یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں غل ڈالتے ہیں۔ (سنن نائی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے بُرے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب بیکار دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شامہ قضاہ میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر رنگ کی تہیں کی نہیں جم گئی ہیں اس لیے ہم کو ان چیزوں کا اثر نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ ان لوگوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بُری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے، اصحاب قلوب صوفیاء کو اہم نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مِسْوَاق کی اہمیت اور فضیلت :-

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں پر غماز

طوبہ سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے بیان کیا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ چوتاکہ میری امت پر بہت شفقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبعی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی دھوسے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحبِ بشوہ اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطہ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات پڑھیے!

(۲۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
"الْيَتَوَاكَ مَطَهْرَةً لِلْفَمِ مَرْضَاتٌ لِلرَّبِّ"۔ رواه ابن ماجہ
والترمذی والنسائی وروی التھامی فی معجمہ بلا اسناد۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔" (ترمذی، سنن نسائی، نیز معجم تھامی میں امام تھامی نے بھی اس حدیث کو بلا اسناد بخانی نقل کیا ہے۔)

(تشریح) کسی چیز میں عین کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاۃ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجرِ اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں، منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور الہی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

(۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَوْلَا أَنْ أَمْسَقَ عَلَى أَمْتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالتَّوَالِدِ عِنْدَ
كُلِّ صَلَاةٍ رواه البخاری و مسلم و الفظ لم

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ
اپنے فرمایا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری اُمت پر بہت شفقت پڑ جائے گی تو میں
ان کو ہر نماز کے وقت سواک کرنے کا حکم ہی امر کرتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فائدہ
دیکھتے ہوئے میرا عجیب ہوتا ہے کہ اپنے ہر وقت کے لیے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت
سواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری
اُمت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لیے اس کی پابندی مشکل ہوگی۔ جو سب دیکھا
جائے تو یہ بھی ترغیب و تاکید کا ایک عنوان ہے اور بلاشبہ بڑا مؤثر عنوان ہے۔
(فائدہ) اسی حدیث کی بعض روایات میں "عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ" کے بجائے "عِنْدَ كُلِّ
وُضُوءٍ" بھی وارد ہوا ہے۔ اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

(۲۵) عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَا جَاءَنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ إِلَّا أَمَرَنِي بِالتَّوَالِدِ
لَقَدْ حَشِنْتُ أَنْ أَحْبِبِّي مُقَدِّمًا فِيَّ رواه احمد

حضرت ابو امیہؓ باہمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اللہ کے فرشتے جبریل جب بھی میرے پاس آتے ہر دفعہ انہوں نے مجھے
سواک کے لیے ضرور کہا۔ غلو ہے کہ جبریلؑ کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی

لے صحیح بخاری کتاب العموم، باب سواک و الطہارۃ و الاطہار۔

وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو سواک کرتے کرتے گھس نہ ڈاؤں۔

(مسند احمد)

(تشریح) سواک کے بارہ میں حضرت جبریل کی بار بار یہ تاکید و وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو بہی اللہ تعالیٰ سے مخالفت اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لیے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ سواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

سواک کے خاص اوقات و مواقع :-

(۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا يَزِيدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَبِقِظُ إِلَّا يَسْتَوِثِقَ قَبْلَ أَنْ

يَتَوَضَّأَ

رداء احمد راجد داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اسٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے سواک ضرور فرماتے

(مسند احمد ابن ابی داؤد)

(۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِذَا أَقَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَتَوَضَّأُ فَأَعْبَا بِالسَّوَالِ

رداء بخاری و سلم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو سواک سے اپنے دھن مبارک

کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۲۸) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَابِي قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ
كَانَ نَبِيُّدَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ
بَيْتَهُ قَالَتْ بِالسُّوَاكِ . . . — . . . رواه مسلم

شرح بن ابی ناس۔ وایت ہے کہ میرے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے گھر میں تشریف
لائے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ سب سے
پہلے آپ سواک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نیت سے جاگنے کے
بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لیے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے سواک فرماتے
تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے سواک فرماتے
تھے، اس سے معلوم ہوا کہ سواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے
بعد اور سواک کے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا بھی ہو جب بھی سواک کر لینی چاہیے
۔۔۔ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بنا پر لکھ لے کہ سواک کرنا یوں تو
ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے لیکن پانچ موقعوں پر سواک کی اہمیت
زیادہ ہے۔۔۔ وضو میں، نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت، اگر وضو اور نماز کے درمیان
زیادہ فاصلہ ہو گیا ہو، اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے، اور سوتے سے اٹھنے کے وقت اور
تھکے میں بدبو پسید ہو جانے، یا دانتوں کے زنگ میں تغیر آ جانے کے وقت ان کی
صفائی کے لیے۔

مسواک سنت انبیاء اور تعاضلے فطرت :-

(۴۹) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالْبُؤَاغُ وَالنِّكَاحُ

رواہ الترمذی

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں ایک حیا، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتلا کر کہ یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں اور ان کے معمولات میں سے ہیں اپنی اُمت کو ان کی ترغیب دی ہے اور بلاشبہ یہ بڑی مؤثر ترغیب ہے۔ حیا کے بارے میں کتاب الاخلاق میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، نکاح کے بارے میں انشاء اللہ کتاب النکاح میں لکھا جائے گا۔ تعطر یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے، انسان کے روحانی اور ملکیاتی تقاضوں میں سے ہے اس سے رُوح اور قلب کو ایک خاص فضا حاصل ہوتا ہے، عبادت میں کیفیت اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے ایسے تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

(۵۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَشَّرُ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الْمَسَارِبِ وَابْتِغَاءُ النَّصِيَةِ وَالسَّوَالُ وَارْتِشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَطْفَارِ وَغَسْلُ الْأَرْجَمِ وَتَمْفُ الْإِطِيطِ وَحَلَقُ الْعَامَةِ وَارْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ ذَكَرْنَا

قَالَ مُصْعَبٌ وَلَيْسَتْ الْعَاشِرَةُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمُضْمَنَةُ

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دس چیزیں ہیں جو امود فطرت میں سے ہیں۔ جو چھل کا ترشانا، داڑھی کا چھوڑنا، سوکت کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشانا، انگوٹوں کے جوڑوں کو رجن میں اکثر میل کیں وہ جاکسے اہتمام سے، دھونا، بغل کے بال لینا، موٹے زیر ناف کی صفائی کرنا، اعضاء پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی ذکر کیا کرتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے ہمیں بھی نو چیزیں ذکر کیں اور سنسرایا کہ وہیں چیز بھول گیا ہوں، اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کئی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "مِنَ الْفَطْرَةِ" یعنی امود فطرت میں کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ الفطرۃ سے مراد یہاں سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج بنی حواد کی روایت میں فطرۃ کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عَشْرُ مِنَ الْفَطْرَةِ" کے بجائے "عَشْرُ مِنَ السُّنَنِ" کے الفاظ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اُس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تسلیم اور ان کے مشترک معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرۃ سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید

میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے "فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَیِّمُ" (اردو معنی) اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرۃ سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اللہ، عیسیٰ اور طاعت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے، اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے آؤں اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ اصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرۃ کا مطلب غلط مستبعد انبیاء و خواہ دین فطرت اسلام ہو، اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا تینوں صورتوں میں ایک ہی ہو گا اور وہ یہ کہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اُس متفقہ طریقہ زندگی اور اس دین کے اجزاء و احکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز

سے پس سیدھا کرد اپنا دماغ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں، یہ دین ہے سیدھا پکا۔

پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”یہ دس علی باتیں جو دراصل طہارت و نفاست کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، آیت حنفیہ کے مؤسس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ اور ابراہیم ہی طریقہ پر چلتے والی حنفی امتوں میں عام طہارت سے ان کا درجہ مل رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لیے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ طہارت حنفی کے شعار ہیں۔ اور ہر نسل کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقررہ معلوم شعار ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جن سے اس ملت و ملت کو پہچانا جاسکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جاسکے تاکہ اس نسل کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور شاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرینہ حکمت ہے کہ شعار ایسی چیزیں ہوں جو ناقد و قریح نہ ہوں اور ان میں مستندہ فوائد ہوں، اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہیے!

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے پائیزی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکرر ہوتی ہے جس طرح کہ حدیث سے معنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے جنس میں اور نفاست کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال بھی ہے۔ اسی لیے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاۃ اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔

اور بالکل ہی حالی ناخون کا بھی ہے۔ اور ڈاڑھی کی ذمیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لیے شرف اور جمال ہو اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے، اور وہ سنتِ انبیاء ہے۔ اس لیے اس کا رکھنا ضروری ہے اور اس کا صاف کرنا جو بس دہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم توہن کا طریقہ ہے۔ نیز چونکہ بانٹاری قسم کے اور نچی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے ہیں اس لیے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لیے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا بھی ہو کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشہ لے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کٹی اور پاتی کے ذریعہ ناک کی صفائی، اور سواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطہ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت و اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔“

بعض اکابر علما نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی اور ایسی ہر چیز کا ازالہ اور اس سے اجتناب جس سے

۱۔ دوسری متعدد حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم بعینہً اسی ہی وارد ہوا ہے جس سے فقہائے اہل سنت نے عام طور سے وجوب سمجھا ہے، لیکن کسی حدیث میں مقدار کی مزاحمت نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے مختلف قرائن و شواہد سے یہ سمجھا ہے کہ ایک امت کے بقدر رکھنا واجب ہے ۱۲

گھن آئے اور کراہت پیدا ہو احکامِ فطرت میں سے ہے اور طریقہ انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صورت کی تحقیر کو اپنا خاص انعام و احسان بتلایا ہے ”وَصَوْرَكُمْ فَاُخْتَفَىٰ صَوْرَكُمْ“۔

اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھائی حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ ان سے روایت کرنے والے طلحہ بن حبیب ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے مصعب بن شبیبہ ہیں۔ ان کے شاگرد ذکر کیا ہیں ابی زائدہ ہیں۔ ان ہی ذکر کیلئے اپنے شیخ مصعب سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں انھوں نے دس چیزوں میں سے نو کو تو دونوں سے ذکر کیا اور دو ٹوٹ کے متعلق بتلایا کہ مجھے ابھی طرح یاد نہیں رہی البتہ میرا خیال ہے کہ وہ مضبوط (گلی) کرنا تھا۔

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر:-

(۳۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاةِ الْتَّائِيَتَا الْكَلَامَا عَلَى الصَّلَاةِ الْآتِيَتَا لَا يُنْتَفَعُ لَهَا سَبْعِينَ ضِعْفًا۔۔۔۔۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر گنی فضیلت رکھتی ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) پہلے بھی بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان اور محاورہ میں ستر اور سی (شرح) طرح بعض اور عدد بھی) مطلق کثرت اور بہتات کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، غالباً اس حدیث میں بھی سبعین کا لفظ اس محاورہ کے مطابق کثرت اور بہتات ہی کے لیے استعمال

ہے۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جو نماز سواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز کے
مطلب میں جو بلا سواک کے پڑھی جائے بدرجہا اور بہت زیادہ افضل ہے۔ اور اگر بعضین
ملاو ستر کا خاص عدد ہو تب بھی کوئی ابتعاذ کی بات نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ مالک الملک اور حکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے
ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت و کبریائی کا حق تو
یہ ہے کہ شکر و گلاب اپنے دہن و زبان کو دھو کے اس کا نام نامی لیا جائے اور اس کے حضور
میں کچھ عرض کیا جائے، لیکن چونکہ اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف سواک ہی
کا حکم دیا ہے اس لیے میں سواک کرتا ہوں، بہر حال جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے
اس احساس اور ادب کے اس جذبے نماز کے لیے سواک کرے تو وہ نماز اگر اس نماز کے
مقابل میں جس کے لیے سواک نہ کی گئی ہو ستر یا اس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے
تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنو ز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(فائدہ) مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث صرف بہقی کے حوالے
سے نقل کی گئی ہے لیکن مندرجہ ذیل ترمذی نے ترمذی میں اس حدیث کو حضرت عائشہ ہی کی روایت
سے ضعیف لفظی فرق کے ساتھ درج کر کے لکھا ہے۔ رواہ احمد ابی یوسف ابی داؤد ابی نعیم ابی حاتم
ابن ماجہ رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الا تواتر اور قریب قریب ہی
صنفوں کی ایک حدیث ابو نعیم کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے اور
دوسری حضرت جابر کی روایت سے نقل کی ہے اور پہلی کی سند کو حید اور دوسری کی سند کو
صحیح کہل ہے۔

نماز کے لیے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جو ہدایت دی
ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی حیثیت متعل احکام کی ہے جیسے استنجہ کے احکام
جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور ناپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ
وغیرہ۔۔۔ اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائط نماز کی ہے۔۔۔ وضو کا حکم بھی قبل
سے ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ"۔
اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی تقدس بارگاہ میں حاضری اور
اُس سے مخاطبت و مناجات کی ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لیے با وضو ہونا شرط
ہے پس اگر کوئی شخص با وضو نہیں ہے (یعنی حدت کی حالت میں ہے، جس کی حقیقت
پہلے بتائی جا چکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا چاہیے۔ دبار الہی
کی اس خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوگی
اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ مَنْ أَخَذَتْ حَتَّى يَتَوَضَّأَ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی تاؤنکہ وہ وضو نہ کرے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ بَعْدَ طَهُورٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ مِمَّنْ
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ایسا
صدقہ قبول ہو سکتا ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل کیے ہوئے مال سے کیا جائے۔
(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں طہور سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب یہی ہے
جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر دالی حدیث کا ہے، صرت الفاظ کا فرق ہے۔
(۳۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِثْقَاتُ الصَّلَاةِ الطَّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا الْكُفْرُ وَتَحْلِيلُهَا السَّلَامُ۔

_____ رواہ ابوداؤد و الترمذی و الدارمی و رواہ ابن ماجہ و ابن ابی سید

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ نماز کی کئی طہور (یعنی وضو) ہے، اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی
اللہ اکبر کہہ کے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے جس کے بعد بات چیت کرنے
اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے حکم ہونے تک اس کے لیے حرام اور
ناجائز ہو جاتے ہیں) اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا ہے (یعنی نماز کے
ختم پر السلام علیکم درجۃ اللہ کرنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لیے حلال
اور جائز ہو جاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لیے حرام اور ناجائز ہو چکی تھیں،
(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)۔ اہل ابن ماجہ نے اس

حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ۔ رواه احمد
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس
طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا آلاکھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح
بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں کی تفسیر میں اگرچہ کچھ
فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا یہ ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لیے وضو شرط
ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اس سے مخاطبت و متابعت کی اعلیٰ
اور انتہائی شکل ہے جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لیے اس کے احکام کا حق
ایسا کہ ہر نماز کے لیے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک ساتھی لباس پہننے کا حکم دیا جائے
لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اندازہ گوں صرف اتنا ضروری
قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کیا
جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء داخل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت
رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے اتنا انتظام قرار دیے جاسکتے ہیں نیز راتہ
پاؤں اور چہرہ اور سر ہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اس لیے
وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ صرف
کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی نکتہ راہ انقباض ہوتا ہے اور وضو

کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت احد ایک خاص طرح کی لطافت و
نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور
تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لیے وضو کو لازمی شرط قرار دینے جانے کا اصل
ماز کیا ہے، باقی اتنی بات تو ہم سب عام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدس اور عالی
بارگاہ میں حاضری کا یہ ادب ہے۔ اللہ کے جو بندے صرت اتنی بات سمجھ کر بھی وضو کریں گے
انشاء اللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

وضو کا طے ہے :-

(۳۶) عَنْ عُثْمَانَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا
ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ
يَدَهُ الْيُسْرَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى
إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ
الْيُسْرَى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرَى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ لِحَوْ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ قَالَ
مَنْ تَوَضَّأَ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ لَبَّيْكَ رَكْعَتَيْهِ لَا يَجِدُكَ لَفْسُهُ
فِيهِمَا يَبْقَى عَفْرَكُهُ مَا تَقْدَرُ مِنْهُ وَنِيَمُ

رواہ البخاری و مسلم و الفسطاطی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک دن اس طرح
وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر کھانکے اور ناک میں
پانی لے کر دس گھبراہٹ اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا جس کے
بعد اپنا ہاتھ کئی تک تین دفعہ دھویا پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کئی تک تین دفعہ

دھویا، اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بائیں پاؤں تین دفعہ دھویا۔ اسی طرح پورا وضو کرنے کے بعد، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے اسی وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز دل کی پوری توجہ کے ساتھ، ایسی پڑھی جو حدیثِ نفس سے خالی رہی یعنی دل میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں ہوئیں، تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ غلط کر کے دکھایا ہے، یہی وضو کا افضل اور سونے طریقہ ہے البتہ اس میں کئی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ کئے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔ آگے حدیث میں جو دو رکعتیں شروع وضو کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ نفل ہی ہوں، بلکہ اگر کسی کو سونے طریقہ پر وضو کر کے کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہو گئی جو حدیثِ نفس سے یعنی ادھر ادھر کے خیالات سے خالی رہی تو انشاء اللہ حدیث کی سوغ و منفرت اس کو بھی حاصل ہوگی۔

شارحین حدیث اور عارفین نے لکھا ہے کہ حدیثِ نفس یہ ہے کہ ادھر ادھر کا کوئی خیال ذہن میں آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر کوئی غلوہ دل میں گزیرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مقرر نہیں ہے۔ اور یہ چیز کاٹھن کو بھی پیش آتی ہے۔

(۳۷) عَنْ أَبِي حَیَّه قَالَ نَأْتِ عَلِيًّا تَوَضُّأً فَعَسَلَ كَفَّيْهِ
حَتَّى أَلْقَا مِمَّا كُمَ مَقْمُضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ
وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا وَتَسْتَمُّ بِرَأْسِهِ ثَلَاثًا غَسَلَ قَدَمَيْهِ
إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثًا فَامَّ فَاحَدَ فَغَسَلَ طَهُورَهُ فَنَشْرِبُهُ وَهُوَ
قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ أَحَبُّتُ أَنْ أَرِيكُمْ كَيْفَ كَانَ طَهُورُ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ _____ بعد التزوی والنشائي

الوجہ ہے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے
دھوا اس طرح فرمایا پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو
خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی پھر تین دفعہ پانی ناک میں لے کر
اس کی صفائی کی، پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا، پھر سر کا
مسح ایک دفعہ کیا، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے اسکے بعد آپ کھڑے ہوئے
اور کھڑے ہی کھڑے اپنے دھوا کا ہاتھ پانی لے کر پیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
عنہ نے اس طرح پورا دھوا کر کے دکھانے کے بعد فرمایا: میں نے چاہا کہ تمہیں
دکھلاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح دھوا فرمایا کرتے تھے۔

(جامع ترمذی ہمنشائی)

(تشریح) جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر دھوا اسی طرح فرماتے تھے کہ دھونے والے اعضا کو
تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپ نے
ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضا کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو
ہی مرتبہ دھویا، اور ایسا آپ نے یہ بتانے اور دکھانے کے لیے کیا کہ اس طرح بھی دھو چکا
ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیان حجاز کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی

کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم
(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً كَمَنْ يَزِدُّ عَلَى هَذَا — رواه البخاری
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ (یعنی وضو میں دھوئے
بہانے والے اعضاء کو آپ نے صرف ایک ایک دفعہ دھویا، اس سے زیادہ
نہیں کیا۔ (صحیح بخاری)

(۳۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ — رواه البخاری
حضرت عبداللہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک
دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ (یعنی دھوئے بہانے
والے اعضاء کو دو دو بار دھویا) (صحیح بخاری)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں اعضاء وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دو دفعہ
دھونے کا جو ذکر ہے جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ایا آپ نے کبھی کبھی صرف یہ بتلانی اور
دکھانے کے لیے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ یہی
تھی کہ وضو میں آپ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور اسی کی دوسری کو تعلیم
دیتے تھے، اور وضو کا یہی افضل اور سنون طریقہ ہے، مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات
اور زیادہ عات ہو جاتی ہے۔

(۴۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَأَلَ
أَخْبَرَنِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ عَنِ الْوُضُوءِ
فَأَنَّهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا

فَقَدْ آسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ ————— رواہ النساۃ و ابن ماجہ

عمر بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی دھنوکے پادے میں سوئی کرتے ہوئے (یعنی دھنوک کا طریقہ پہنچتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو تین تین دفعہ دھنوک کے دکھایا (یعنی ایسا دھنوک کے دکھایا جس میں آپ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپ نے ان اعرابی سے فرمایا کہ دھو ایسے ہی کیا جاتا ہے، تو میں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے برائی کی، اور زیادتی کی اور ظلم کیا۔ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھنوک میں اضافہ کرنے کی جو سنت مذمت کی ہے اس کا مطلب ظاہر ہی ہے کہ اعضاء دھنوک کے صرف تین تین دفعہ دھونے سے کمال مکمل دھنوک ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گریا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا، اور بلاشبہ اس کی بڑی عیارت اور بڑی بے ادبی ہوگی۔

(۴۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَلَيْتَ وَطَيْفَةَ الْوُضُوءِ الْيَقِ لَابِدًا مِنْهَا وَمَنْ تَوَضَّأَ اثْنَيْنِ فَلَهُ كِفْلَانِ وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا فَلَهُ الْإِثْنَانِ وَالْوُضُوءُ الْآثِنِيَاءُ مِنْ قَبْلِي۔

رواہ احمد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا جو دھنوک کے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے

اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے، تو یہ وضو کا وہ درجہ ہے جس کے بغیر کوئی پابہ ہی نہیں (اللہ اس کے بغیر وضو نہ پاتا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو درجہ (یعنی اس میں) اعضا و عضو کو دو دفعہ دھوئے (یعنی) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) دو حصے ثواب ہوگا۔ اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو افضل اور سنون طریقہ ہے) تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا (یعنی میرا متورا اعضا و عضو کو تین تین دفعہ دھوئے گا ہے) اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی (یہی) ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اس میں ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپ نے دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ہے گا، پھر آپ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا۔۔۔ اس دوسری روایت کو دارقطنی، بیہقی، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (رد جامعہ المصنف)

ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔۔۔ ﷺ

وضو کی سنتیں اور اس کے آداب

وضو میں فرض تو ہیں وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۃ ائذہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پوٹے پہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔۔۔ ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے

تھے، یا جن کی ترفیہ دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اعداس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کو بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا، اور نل کر دھونا، وازمی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلخال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگلی کی حرکت دینا تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شہ نہ ہو جائے، اسی طرح کئی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندر دھنی اور ہیر دنی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور غارتہ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے احکام و مقتضات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں درج ہیں پڑھیے!۔

(۴۴) عَنْ مَعْبُودِ بْنِ نَسِيبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَسِدَّ صُكْرًا أَوْ نِسًا أَوْ غَرَسَ شَجَرًا.

بعض الترمذی و ابی ماجہ

سنوے سے پہلے دو وضو اللہ عز و جل سے دعا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لیے بغیر وضو کیا، اس کا وضو نہیں۔

(جامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اُسے کہ اکثر ائمہ اہل جہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لیے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے فائدہ ہوگا۔ اور ناقص کو کمال عدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محال ہے۔ کتاب الایمان میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے۔ اس کے ہم نگر پر ابی ہریرہ و ابی موسیٰ و ابی عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات ہر ایک طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لیے بغیر وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وضو "بِسْمِ اللّٰهِ وَالتَّحَنِ لِلّٰهِ" کہہ کر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کتاباۃ اعمال اس وضو والے کے نامہ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لیے مامور ہیں۔

(۴۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبَسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ وَإِذَا بَدَأْتُمْ وَبَيْنَاكُمْ

رواہ احمد و ابوداؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم لباس پہنو، اور جب تم وضو کرو تو اپنے دامنے اعضا سے اجھا کیا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جھٹا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے، اور جب وضو کیا جائے تو ہر وضو کے دھونے کی ابتداء داہنی طرف کی جائے۔

(۴۶) عَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِيْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنْ الْمَوْضُوعِ قَالَ أَسْبِغِ الْمَوْضُوعَ وَخَلِّ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالِغٌ فِي الْإِسْتِنْشَافِ إِلَّا أَنْ تُتَوَكَّنَ صَائِماً

رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے وضو کی بابت بتائیے؟ (یعنی بتائیے کہ کون کون کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیئے) آپ نے فرمایا: (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے) اور (دوسرے یہ کہ) ہاتھ پاؤں دھوئے وقت اُن کی انگلیوں میں غلال کیا کرو، اور (تیسرے یہ کہ) ناک کے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دھنوں میں) اپنے سر مبارک کا رخ فرمایا اور اس کے ساتھ دوڑوں کاؤں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندر دنی حد کا تو انگوٹھوں کے برابر دالی انگلیوں سے رخ فرمایا، اور ادب کے حصہ کا دوڑوں انگوٹھوں سے۔

سنن نسائی

(۵۰) عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ مَعْقُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ إصْبَعَيْهِ فِي فَخْذَيْهِ أَذُنَيْهِ.

رواه الإمام داود و أحمد وابن ماجه

رُتَبِ بِنْتِ مَعْقُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سَمِعَتْهُ رَوَيْتُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَدَخَلَ فِي فَخْذَيْهِ أَصْبَعَيْهِ وَأَدْخَلَ فِي أُذُنَيْهِ أَصْبَعَيْهِ (۵۱) عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ وَمَضَى الصَّلَاةَ حَرَّكَ شَاةِمَهُ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَدَخَلَ فِي أُذُنَيْهِ أَصْبَعَيْهِ

حضرت ابوالواضح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا دھنوں فرماتے تھے تو انگی میں پینی پوی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے تاکہ پانی اس منگہ بھی اچھی طرح پونگہ ملے اور کوئی خاک نہ رہے۔

سنن حدیثی ابن ماجه

(تشریح) مندرجہ بالا حدیثوں میں دھنوں کے منگہ کے من جن احوال کا ذکر ہے، مثلاً ڈھری اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر ہاتھ کا اچھی طرح پونگہ کرنا اور ان کے منگہ ایک بھی انگلیاں پونگانا، اسی طرح ہاتھ میں پینی پوی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب دھنوں کے

نیکو آداب میں غم کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی اللہ کی تعظیم و ترحیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے :-

(۵۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَابْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هَذَا الْمَرْفُوفُ يَا سَعْدُ؟ قَالَ آفَى الْوُضُوءِ مَرْفُوفٌ؟ قَالَ وَإِنْ كُنْتُ عَلَى فُخْرٍ جَائِدٍ

رواہ احمد و ابی داؤد

حضرت عبداللہ بن عمر و ابن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گئے تو آپ نے ان سے فرمایا: سعد! یہ کیا اسرار ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے)، انہوں نے عرض کیا حضور! کیا وضو کے پانی میں بھی اسرار ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسرار میں داخل ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں۔ یہی اسرار میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد و ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسرار سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال :-

(۵۳) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

قَلْبِهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَّحَ وَبَسَّحَ بِطَرَفَيْ تَوْبِهِ.

رواہ الترمذی

حضرت مساذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کٹافے سے پہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے سے پہرہ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وضو کے بعد احضار وضو کو پونچھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپ اس کام میں استعمال کرتے تھے۔ بعض اور صحابہ کرام کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا افعال کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے کوئی مستقل کپڑا اور مال کی طرح کا بھی رہتا تھا، اور کبھی کبھی آپ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لیتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز۔

نمبر (۱۱) پر بحوالہ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جہاں وضو کے بعد کلمہ شہادت اور دعا اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ **فَاَجْعَلُونِ مِنِ الْمُتَطَهِّرِينَ** پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے، اور نمبر (۲۶) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالہ بخاری و مسلم گزر چکی ہے، جس میں وضو کرنے کے بعد قطی کو جدا اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت ملنا شروع ہوئی ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے۔

(۵۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْغُضُوفِ ثَنِي بِأَرْبَعِ عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي
الْإِسْلَامِ فَإِنِّي مُبْعَثٌ دُونَكَ لَعَلَّكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ
قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرَبِي عِنْدِي أَرَبِي لَمْ أَنْظِرْ مَطْمَعُونَ
فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَائِي إِلَّا وَصَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطَّهَوْرِ
مَا كَتَبَ لِي أَنْ أَصَلِّيَ

رواہ ابوداؤد و مسلم
حضرت ابوبریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا، تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے
سب سے زیادہ اُمید خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتاؤ، کیونکہ میں نے تمہارے چلوں
کی حبابِ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے
خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں
کی آہٹ سن رہا ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی
برکت ہے، لہذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ ثواب
اور رحمت کی اُمید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ
امید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی
دُعا کی ہے تو اس وقت سے میں نے نماز ضرور پڑھی ہوگی ہے، جتنی نماز کی بھی
مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں
کی آہٹ یا چلوں کی حبابِ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر ہو گیا
ہے۔ یہ خواب کا واقعہ ہے، اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلال نے دعا ہی میں جنت

لے جو خواب اور قرآن کی بنا پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے
ابو داؤد کا مطالعہ کیا جائے۔ ص ۳۳

میں کس طرح پہنچ گئے! البتہ حضورؐ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا، اہل اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں، بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب آفتق کچھ نماز منور و پڑھے، خواہ سنہرے ہو، خواہ سُنّت، خواہ نفل۔



جنابت اور غسل جنابت

ہر سلیم الفطرت اور صاحب روحانیت انسان، جب اس کے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا بہیمی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے اور اس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا، اور بتلایا جا چکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام حدیث ہے۔۔۔۔۔ پھر اس حدیث کی دو قسمیں ہیں، یا یوں کہئے کہ دو درجے ہیں ایک حدیث اصغر، جس کے ازالہ کے لیے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر کے لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر زائل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور دوسرے حدیث اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پوسے جسم کے غسل ہی سے ہو سکتا ہے پیناب پاخانہ اور خود ریح و غیرہ حدیث اصغر کی مثالیں ہیں، اور عجموت و حیض و نفاس وغیرہ حدیث اکبر کی۔

ہر سلیم الفطرت انسان اس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لیے جو عجموت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے، اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گزرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت بطور

بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے، اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوت قرآن جیسے مقدس کاموں میں مشغول ہونے سے اور ساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۵۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ.

رواہ الترمذی

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا کہ مائتہ حدیث اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے، (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت اللہ و رسول کے لیے بالکل ممنوع ہے) (جاء ترمذی)

(۵۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِّحُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسِيْدِ فَإِنَّ لَا أُحِلَّ الْمَسِيْدُ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ

رواہ ابو داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان گھروں کا رخ مسجد کا رخ سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھول دیجئے کہ کسی مائتہ حدیث، اور کسی جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل حرام نہیں ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(ان کے لیے مسجد بنانا ناجائز و حرام ہے)

(تشریح) مسجد بنانی جیسے شروع میں بنی تھی، تو اس کے آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف کھولے گئے کہ مسجد میں آسانی سے داخل ہو سکیں، مگر بعد میں حکم آگیا کہ مسجد کے آداب و احترام کا یہ حق ہے کہ مائتہ حدیث جنبی یا اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب مردانے مسجد کی جانب سے ہند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے آداب :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں۔

(۵۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْتَسِلُ كُلِّي شَعْرَ جَنَابَةٍ فَأَغْسِلُوا السَّعْرَ وَانْعَمُوا الْبَشْرَةَ۔

رواہ ابو داؤد والترمذی والبیہقی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لیے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہیے۔ (اگر جسم انسانی کا وہ حصہ بھی جو بالوں سے چھپا ہوا ہے، پاک صاف ہو جائے، اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے جس پر بال نہیں ہیں، اس کی بھی اچھی طرح صفائی و صلائی کرنی چاہیے۔

رضی الی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابی یوسف

(۵۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يُغْسِلْهَا فَقَدْ يَبَسَا كَذَا ذَكَرَ ابْنُ الْمُنَازِقِ، قَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ ثُمَّ عَادَ يَتَرَأْسِي فَمِنْ ثُمَّ عَادَ يَتَرَأْسِي ثَلَاثًا۔

رواہ ابو داؤد و احمد والبیہقی

اَللّٰهُمَّ اَلْمَسْكِرَةُ اَفْعَمُ ثُمَّ عَادَ يَتَرَأْسِي۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھوئے سے چھیندی تو اُس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔۔۔۔۔ حدیث کے مادی حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضور کے اس اعتاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بال کا دشمن بن گیا یعنی میں نے معمول بنالیا، اگر جب نہاڑے میں نے اُن کا صفایا کر دیا، ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ جگہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، مسند احمد، مسند دہلی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری ہے کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھوئے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شافعیین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے سر کے بال صاف کرنے کا اپنا جو معمول بنالیا تھا اُس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد کے سسر نہانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ اگرچہ اولیٰ سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے، یہاں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور باقی خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

(۵۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَغْرِغُ بِمِائِيهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أَصُولِ الشَّعْرِ حَتَّى إِذَا دَايَ أَنْ قَدْ اسْتَبْرَأَ أَحَقَّنَ عَلَى نَاسِئِهِ ثَلَاثَ حَقَنَاتٍ ثُمَّ آفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

رواہ البخاری و مسلم و اللفظ مسلم

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں

ہاتھ دھو رہے تھے، پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجا کو دھوئے اور دھونے کے بعد اس پر پانی ڈالتے تھے، پھر دھو کر ملتے تھے، اسی طرح جس طرح نماز کے لیے دھو کر آیا کرتے تھے، پھر پانی لیتے تھے، اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر وہاں پانی پھونپھوناتے تھے، یہاں تک جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ نے سب میں پوری طرح پانی پھونپھونایا، تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر تین دفعہ پانی اپنے سر کے اوپر ڈالتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے، اس کے بعد دونوں پاؤں دھوئے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ كَأَنَّهَا
أَدْنَيْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ
فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِسْجَارِ
ثُمَّ أَخْرَجَ يَدَهُ عَلَى فَرْجِهِ وَغَسَلَهُ يَشِمَالَهُ ثُمَّ غَرَبَ بِشِمَالِهِ
الْأَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلَكًا شَدِيدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَهُوَ نَظِيرٌ لِلصَّلَاةِ
ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ مِلًّا كَقَدْحِهِ ثُمَّ غَسَلَ مَاسِئَهُ
جَمَدًا ثُمَّ دَمَعَتْ عَنْ مَقَامِهِ ذَالِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ
أَتَيْتُهُ بِالْمِنْذِيلِ فَدَعَا ————— رَوَاهُ الْإِسْهَاقِيُّ وَاسْمُهُ دُرَّةُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المومنین
حضرت مہینہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا، کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے لیے پانی بھر کے آپ کے پاس رکھ دیا۔
تو آپ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دودھ یا تین دفعہ دھویا، پھر اپنا دھوا ہوا
ہاتھ اپنے پانی کے اُس برتن میں ڈالا اور اُس سے پانی لے کر اپنے مقام استنجا پر
ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اُس کو دھویا، پھر اپنا وہ بائیں ہاتھ زمین پر مارا، اور اُس کو

خوب زمین کی مٹی سے ڈال اور رگڑا، پھر دھونکیا، جیسے کہ آپ نماز کے لیے وضو فرما
 کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے منہ
 جسم کو دھویا، پھر انی جگہ سے ہٹ کر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر اپنے
 آپ کو بدال دیا تو آپ نے اس کو ملاں فرمایا (مصحفین ہی کی دوسری روایت
 میں یہ الفاظ بھی ہے کہ بدال استعمال کرنے کے بجائے آپ نے جسم پر سے
 پانی کو سونت دیا اور بھاڑ دیا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت میمونہ کی اس حدیث سے دلیل ملتی ہے کہ غسل اور وضو کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ صبح پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھو کر تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں سے کھانا کھا کر ہاتھ پرے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپ مقام استنجاء کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور دھونے کے بعد اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو منہ سے لے کر اس کے اوپر گر گر کر خوب بلخے، اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد دھو کر دھوتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کر کے اودناک میں پانی لے کر کلی بھی طرح صفائی کر کے منہ اودناک کے اندر دھو کر غسل دیتے تھے، اور حسب عادت برش مٹا کر میں غلال کر کے اس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچا کر کلی کر دیتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باصلاحیت طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں کو غسل دینا اس لیے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ جہاں اور نجی نہیں ہوتی تھی۔

(٦١) عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَايِي رَجُلًا مُتَّعِدًا بِالْبِرِّ وَالْإِحْسَانِ وَلَمْ يَنْتَبِرْ فَعَمَدَ اللَّهُ وَأَثَرُ

عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ خَيَّرَ بَيْنَ الْحَيَاءِ وَالنَّسْتِ كَذَا
اِغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَرِ _____ رواه ابو داود والنسائي

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں پرہیز، غسل کر رہا تھا، تو آپ نے (قریبی صاحب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں رسول کے مطابق پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اُس کے بعد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے، یعنی بندوں کی جن ہر نماں حرکات کا ظاہر کرنا شرم و حیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ اُن کا ظاہر نہیں فرماتا، بلکہ اُن کی پردہ داری فرماتا ہے (اور بندوں کے لیے بھی وہ حیا داری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بنا پر اُس کا حکم ہے اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے) (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

مسنون یا مستحب غسل :-

شرعیات نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی درج کیے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا ہے لیکن یہ حکم بطور فرضیت اور وجوب کے نہیں ہو، بلکہ اس کا درجہ سنت یا مستحب کا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیں :-

جمعہ کے دن کا غسل :-

(۶۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ ——— رواه البخاری و مسلم
 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کو (یعنی جمعہ کی نماز کے لیے) آئے تو اس کو
 چاہیے کہ غسل کرے (یعنی نماز جمعہ اور ادا کرنے کے لیے اس کو غسل کر کے آنا چاہیے)
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ مَنَعْتُ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةٍ أَيَّامٍ
 يَوْمًا يَغْتَسِلُ فِيهِ رَأْسُهُ وَجَسَدُهُ ——— رواه البخاری و مسلم
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر منع ہے (یعنی اس کے لیے ضروری ہے کہ ہفتہ کے سات
 دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بالوں
 کو اور حاسے حیم کہ اچھی طرح دھوئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں جمعہ کے غسل کا تاکید ملتا ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور
 حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غسل جمعہ کے لیے واجب
 کا لفظ بھی آیا ہے۔ لیکن ائمہ کے اکثر ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی
 وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ
 کی مندرجہ بالا حدیثوں کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عید اللہ ابن عباس
 رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انہوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب
 میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد عکرمہ سے اس سوال کا
 جواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ :-

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟
 انہوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت و
 پاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اُس کے لیے جو اس دن غسل کرے، اور جو رکھی وجہ
 اس دن غسل نہ کرے وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل اس پر واجب نہیں ہے۔
 اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم
 کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان
 لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ، بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے
 بہت موٹے کپڑے) پہنتے تھے، اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لاتے تھے۔
 اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی، اور
 ساری مسجدیں ایک چھپر کا سامان تھا جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن
 رہتی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جمعہ کو جبکہ سخت گرمی کا دن تھا
 مگر سے مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے
 کپڑوں میں ان کو پسینہ چھوٹ رہا تھا اور ان سب چیزوں نے لٹا کر مسجد کی گھنا
 میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیبہؓ کو محسوس کی تو فرمایا کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا
 الْيَوْمُ فَاسْتَبِشُوا وَلَيْسَ أَحَدُكُمْ
 أَفْضَلُ مَا يَجِدُ مِنْ دُحْنِهِ
 لِي لَوْ جَبَّ جَعْبُهُ كَأَيِّ دَنٍ يَأْكُرُهُ تَرَمُّ
 لَوْ غَسَلَ كَيَاكِرُ دَاوُدَ حَمَامًا خُشْبًا دَارِ قَلْبِ
 دَاوُدَ وَبَهْرَ خُشْبِ حَبْرٍ كَوَسْتَبَابَ يَوْمَ لُكَا

لِیَا کرے۔

وَحَبِيبِهِ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اس کے بعد خدا کے فضل سے فرقہ فساد کا وہ دور ختم
 ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور دولت نصیب فرمائی، پھر موت کے وہ

کیرے بھی نہیں رہے جن سے جو بڑا پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد کے دل لوگوں کے پسینہ و غیرہ سے جو بڑا مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس خاص حالت کی وجہ سے حکمی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غل جعبہ مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا دور چھوڑ دیا، لیکن بہر حال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غل جعبہ کی یہی حیثیت صریحاً مذکور ہے۔

(۶۴) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيُغْتَسِلُ وَفِيهَا غُفْلٌ فَالْغُفْلُ أَفْضَلُ _____ رواه احمد والبيهقي وداود والترمذي والنسائي وابن ماجه

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لیے) وضو کرے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند دہلوی)

اگلے نماز جمعہ سے متعلق احادیث میں بھی مسجد کے دن کے نہانے وضو کا ذکر آئے گا اور اس سلسلہ کی بعض باتیں انشاء اللہ وہیں مذکور ہوں گی۔

میّت کو نہانے کے بعد غسل ہے۔

(۶۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ غَسَلَ مِثْمًا فَلْيَغْتَسِلْ۔۔۔۔۔ رواہ ابن ماجہ وزاد احمد
والترمذی وابدوداؤد "وَمَنْ سَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہیے کہ غسل کرے (سنن ابن ماجہ)
میں یہ حدیث ہمیں اسی قدر ہے، اور منذ احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد
میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اس کو
چاہیے کہ وضو کر لے"

(تشریح) اُمت کے ائمہ اور علماء بشریعت کے نزدیک یہ حکم استحبائی ہے، اس لیے ان کے
نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لیے مقب ہو کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی
غسل کر لے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسل میت کی چھٹیں اس کے جسم کے
کسی حصہ پر پڑ گئی ہوں۔۔۔ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صریح نفی بھی وارد
ہوئی ہے، اس لیے عام ائمہ اُمت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مقب ہی
کہا ہے، اسی طرح حدیث کے دوسرے جز میں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ
بھی استحبائی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالباً یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو
کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تیار رہیں۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن کا غسل :-

(۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى۔۔۔ رواہ ابن ماجہ
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حیدر انظر اور حیدر الاضنی کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

(ف) حیدر انظر اور حیدر الاضنی کے دن غسل کرنا اور حسب توفیق اچھا، صاف تھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، اُمت کے اُن متوارث اعمال میں سے ہے جن کا ردواج بلاشبہ قرن اول سے چلا آرہا ہے، اس لیے اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اُمت کو اس کی تعلیم و ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا عمل ہی سے ملتی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارے میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصولی تنقید کے مطابق اُن سب کی سندوں میں ضعیف ہے حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعیف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی حدیث کی سند میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد و قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ صحیح حدیث ہی کی طرح حجت اور قابل قبول ہوگی۔

تیسرے

بہا و قات آدمی ایسی حالت احد کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اسکے لیے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لیے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبعیتیں ترک طہارت کی عادی بنتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جواہر اہتمام محسوس ہوتا ہے، احد اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا پختہ ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ خیر ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنا دیا ہے، اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لیے تیمم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اسکے ذہن پر انشاء اللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیسرے یہ ہے کہ سطح زمین پر، یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی جو ایسی چیز ہو جس پر سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں، ان میں سے کسی پر، طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمم ہو جاتا ہے، مٹی وغیرہ کا چسکے یا ہاتھوں پر لگن ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ مٹی وغیرہ چسکے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمم کی حکمت | غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت

میں اُس کے بجائے تمیم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے، کہ لہری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پائے گا ہے، اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھرنے میں تزلزل اور خاک رسی کی بھی ایک خاص شان ہے، اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تمیم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔ — وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِاَسْرَارِہٖ بِیْنِہٖ۔

اس کے بعد تمیم سے متعلق چند حدیثیں پڑھیے! اس کے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں تمیم کا حکم نازل ہوا۔

تمیم کا حکم۔

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی بَعْضِ اسْفَاطِہٖ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْبَیْدَاءِ اَوْ بِدَارِ الْجَبِشِ اِنْفَطَحَ یَعْقُوبُ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی التِّمَامِیۃِ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَہُ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَآءٍ فَاَتٰ النَّاسُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَعَالُوْا الْاَشْرَی اِلٰی مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِالنَّاسِ مَعَہُ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَآءٍ وَلَیْسَ مَعَهُمْ مَّآءٌ فِجَاءَ اَبُوْ بَکْرٍ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاضَعَ رَاسَہُ عَلٰی فِخْذِیْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ

وَلَيَسِّرْهُ لَكُمْ وَيَسِّرْ لَكُمْ مَاءَ قَائِلٍ فَقَاتِلْهُ فَمَا تَكُنِي أَبُوبَكْرٍ وَقَالَ
مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعَنِي بِسَيْدِهِ فِي خَاصِرَتِي خَلَا
يَمْسَحُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَارَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى فُجْزِي فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتِي أَصْبَحَ
عَلَى غَيْرِ مَاءٍ فَأَثَرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ آيَةُ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا فَقَالَ
أُمَيَّةُ بْنُ النَّضِيرِ وَهُوَ أَحَدُ الشُّبَّاءِ مَا هِيَ يَا قَوْلَ بَرَكَاتِكُمْ
يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ
فَوَجَدْنَا الْعِشَّةَ تَحْتَهُ

رواہ النہای وسلم واللفظ لم

ام المزمین حضرت عائشہ صدیقہ بنی اللہ حمات سے مروایت ہے، بیان فرماتی
ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیقی قول کے مطابق غزوہ ذات الرقاع میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ میان تک کہ جب ہم مقام میداویا ذات ابھیش کے مقام
پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ و غیرہ کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ار
وجود حقیقت میری بی بی بنی اسماء کا تھا اور میں نے عاتقہؓ ان سے لے کر گلے
میں ڈال لیا تھا، ٹوٹ کر گر گیا اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی، تو اس کو تلاش کرنے کے لیے آپ نے وہاں قیام فرمایا
اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست
نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابو بکر صدیقؓ کے پاس جا کر کہا کہ آپ
دیکھتے ہیں آپ کی صاحبزادی، عاتقہؓ نے کیا کیا ہے، انہوں نے (ہاں گم کر کے)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے،
حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابو بکر صدیقؓ
میرے پاس تشریف لائے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری زبان پر

سر رکے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو سنہ انگنی تھی اس وجہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب مہتمموں کے بیٹوں۔ کہنے کا باعث بن گئی اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں زقریب میں کہیں پانی نہیں ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ واللہ جود نے مجھے غریب بنانا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا اس وقت انھوں نے مجھے وہ سب کہا اور (خفا سے) میرے پہلو میں کہنے لگائے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو میری دان پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلکی کہ میرے حرکت کرنے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے رہے یہاں تک کہ آپ نے صبح کی ایسے مقام پر اور اسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تعجب کیا (اور تمہیں کہے کہ نماز ادا کی گئی) نوائید بن خضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے) جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہمت سے ہیلے بیعت کی تھی، کہا کہ اے ابوبکر! یہ تمہیں کا حکم تھا ہی پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سب کے بعد جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا، جو میری سواری میں تھا، تو میرا وہ

بار اس کے نیچے گر گیا۔

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں اس آیت تیمم کا ذکر ہے اس سے غالباً سوہنہ ناء کی یہ آیت مراد ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ
أَوْ لَسْتُمْ عَلَىٰ الْمَاءِ فَلَمْ يَجِدُوا
اذا انکم تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال مضربو
یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے
سے آیا ہو یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو

مَاءٌ قَبِيحٌ مَوَاصِعُ طَيِّبٌ
 وَامْسِكُوا إِلَيْكُمْ دَلَمَ وَإِيَّاكُمْ
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ شَفِيعًا غَفُورًا
 (النور ۷)

اور تم کو پانی نہ ملے، تو تم پاک زمیں سے
 تھم کر لیا کرو جیسی اس زمین پر دریا تھ
 اے تمہارے لئے ہے چرواہے اور باغیوں پر پھیر لیا
 کرو، اللہ تمہارے بہت معاون فرمانے والا اور

بڑا بخشنے والا ہے۔

یہ مضمون لفظوں کے بہت ضعیف فرق کے ساتھ سورہ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی
 لایا اور فرمایا گیا ہے اور بعض راویوں کے بین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ والی آیت
 نازل ہوئی تھی۔ لیکن اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سورہ نازل والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور
 سورہ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم

(۶۸) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ
 إِنِّي أَجَنَّبْتُ فَلَمْ أَصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَا تَذْكُرُنَا
 كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَآلَتٌ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تَصِلْ وَأَمَّا أَنَا فَتَعَلَّكْتُ
 فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
 إِنَّمَا يَكْفِيكَ هَذَا أَفَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفِّهِ
 الْأَرْضَ وَانْفَجَحَ فِيهِمَا ثَمَرٌ مَسْمُومٌ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفِّهِ

... رواہ البخاری و مسلم و ترمذی

حضرت عمارؓ سرینبی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ بن الخطاب
 رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی
 ہے اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے (جو دہاں موجود تھے)
 حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے اور
 ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہوگئی تھی، تو آپ نے تو اس حالت میں نماز پڑھی نہیں

اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پڑا کر کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابہ والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا، تو جب ہم مغربے واپس آئے، تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کر لی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹلنے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی)، تمنا سے لیے بس اتنا کہ ناکا کافی تھا، یہ کہہ کے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو پھونکا تاکہ جو خاک دھول لگی ہو، وہ اڑ جائے، پھر آپ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اُس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف وجوہیں کی ہیں، اُن میں سب سے زیادہ اہل لغت یہ ہے کہ غالباً اُن کو پانی مل جانے کا انتظار تھا، اور اس کی کچھ امید تھی، اس لیے انہوں نے اُس وقت تیمم کر کے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم۔ اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے، اُس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا طریقہ ہے، اس لیے وہ اپنے اجماع سے زمین میں لوٹے پوٹے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا تو آپ نے اُن کی اس غلطی کی تفسیح فرمادی، اور بتلادیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا ہے، حضرت عمار چونکہ وضو والے تیمم کا طریقہ جانتے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف بس اشارہ فرمادیا۔

حضرت عمارؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تیمم میں مٹی یا خاک کا مٹھ پرایا ہاتھوں پر لگانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اس کو بھونک دینا بہتر ہے۔

(۶۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِنَّ الصَّحْبَ الْعُلَمَاءَ وَرَوَوْا عَنْهُ أَنَّ لَمْ يُجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ
سَبْعِينَ فَإِذَا وَجِدَ الْمَاءَ فَلَمْ يَسْأَلْ كَيْسَرَهُ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ

رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد

ہات ابودرغفہ اُمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ پاک مٹی میں
بیکاراں لہرات نہ کرچہ دس سال تک پانی نہ ملے پس جب پانی پائے تو چاہیے
کہ اس کو بدن پر ڈالے، یعنی اس سے وضو یا غسل کر لے، کیونکہ یہ بہت اچھا ہے۔
(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بہا بریں تک ایک آدمی وضو یا غسل کے لیے پانی نہ
پائے تو تیمم اس کے لیے برابر کافی ہوتا رہے گا۔ البتہ جب پانی میسر ہو جائے گا تو غسل یا وضو
اس کے لیے ضروری ہو جائے گا۔

(۲) قریب قریب سارے روایت اس پر مبنی ہیں کہ جس شخص پر غسل واجب ہو، اور
پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی مجبوری سے اس نے بجائے غسل کے تیمم کیا ہو، تو اس کو جب
پانی مل جائے گا، یا بیماری کا مدخر ختم ہو جائے گا تو غسل کرنا اس پر واجب ہوگا۔

(۶۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَخَفَرَا
الصَّلَاةَ وَلَيْسَ بِهِمَا مَاءٌ فَذَعَمَا صَعِيدًا طَبِيبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجِدَا الْمَاءَ
فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَا أَخَذَ هُمَا الصَّلَاةَ بوضوءٍ وَلَمْ يُعِيدَا الْآخِرَتُمْ آمِنًا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذَلِكَ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِيدِ
أَصَبْتَ السَّنَةَ وَآخِرَ أَتَقِ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ
أَعَادَ لَكَ الْآخِرَ مَرَّتَيْنِ

رواہ ابوداؤد و الدارمی

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں
گئے کسی مرقع پر نماز کا وقت آگیا، اور ان کے ساتھ پانی تھا نہیں اسلئے دونوں نے

ایک مٹی سے تہیم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی ل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دو دن صلوٰۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا، اور تم نے جو نماز تہیم کر کے پڑھی وہ تمہارے لیے کافی ہو گئی، ستر می مسئلہ یہی ہے کہ ایسے وقت پر تہیم کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعد میں وقت کے اندر پانی ل جاوے پھر بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اس لیے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا، اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان سے آپ نے فرمایا، کہ تمہیں وہ ہر نوا اب ملے گا، کیونکہ تمہارے دوبارہ جو نماز پڑھی وہ نفل ہو گئی، اللہ تعالیٰ نیکوں کو صلح نہیں فرماتا۔

(معنی الی، داؤد و مستور الی)



مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

جلد سوم

كِتَابُ الصَّلَاةِ

اللَّهُ أَكْبَرُ

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَلَعَالَى جَدُّكَ
وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ

اے اللہ میں تیری حمد و تائیں کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیرا پاک نام بڑا
مبارک ہو تو بڑی عظمت والا ہو، تیرے سوا کوئی بھی عبادت اور نیکی کا مستحق نہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَنَا
اِغْفِرْ لِي وَلِإِلَهِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

خداوند اے مجھے نماز قائم کرنے والا بنادے اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق دے،
میرے رب میری دعا قبول فرما

پروردگار جس دن اعمال کا حساب ہو اُس دن مجھے اور میرے ان باپ کو اور
اپنے ایمان والے سب ہی بندوں کو بخشدے۔

اٰمِيْن يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

عبدك المذنب

محمد منظور نعمانی

عفا اللہ عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کا امتیاز

حضرت انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و کمالات و احسانات اور اس کی تقدیس و توحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں اس کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے حضور میں اپنی خدویت و بندگی، محبت و شفیقتی اور عبادتی و درپردہ گری کا اظہار کر کے اس کا قرب اور اس کی رحمت و درمنا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب و روح کے لیے نور اور سرور کا سراپہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع حاصل الہی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لیے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اور اسی لیے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعت محمدی) میں نماز کے شرائط و ارکان اور سن و آداب اور اسی طرح اس کے مفادات و مکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت و عبادت کو بھی نہیں دی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ البیۃ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اعلم ان الصلوٰۃ اعظم العبادات شأنًا و اضعافا و امانًا و اتمہا
فی الناس و انفسہا فی النفس و لذالك اعتنى الشارع ببيان فضلها

وتعيين اوقاتها وشروطها وادكانها وادابها ورحصها وادابها
اعتناء عظيم لم يفعل في مثل انواع الطاعات وجعلها من اعظم
شعائر الدين - (ص ۱۸۹)

یعنی — نماز اپنی عظمت شان اور مقصدائے عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادت میں
خاص امتیاز رکھتی ہے اور خدا شناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معرفت و شعور اور نفس
کے تزکیہ اور تربیت کے لیے سب سے زیادہ نفع مند ہے اور اسی لیے شریعت نے اس کی فضیلت،
اس کے اوقات کی تعیین و تحدید اور اس کے شرائط و ارکان اور آداب و فرائض اور اس کی رخصتوں
کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لیے نہیں کیا، اور انہی
مخصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور تمیازی نشان قرار دیا گیا ہے
اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر نماز کے اجزاء و اصلیات اور اس کی حقیقت بیان کرتے
ہوئے فرماتے ہیں:

”واصل الصلوة ثلاثة اشياء ان يجمع القلب عند ملاحظة
جلال الله وعظمته ويعبر اللسان عن تلك العظمة وذلك الخفية
بافصح عبارة وان يودب الجوارح حسب ذلك الموضوع“

یعنی — نماز کے اصل عناصر تین ہیں۔ ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لائیتا عظمت و جلال
کے دھیان سے سراسر فکندہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی جلالت
و سرافندگی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے، اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری
اعضاؤں کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی مابہرگی و بندگی کی شہادت کے لیے استعمال
کرے — پھر اسی سلسلہ کلام میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:-

”اما الصلوة فهي المعجون المركب من الفكر المصروف والتقاء
عظمة الله.... ومن كادحية المبينة اخلاص عمله لله و

توجیہ وجہ نفعاء اللہ وقصر الاستعانة فی اللہ ومن افعال
تعظیمیۃ کا السجود والرقوع یصیر کل واحد عضداً لآخر ومکملہ
والمنہ علیہ :

یعنی۔۔۔ نماز کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی غفلت و کبریا کی
تفکر و استحضار دوسرے چند ایسی دعائیں اور ایسے اذکار جس سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی
اور اس کے اعمال خالص اللہ کے لیے ہیں، اور تیسرے اپنا بخوبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی
طرف کر چکا ہے، اور اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہے۔ اور تیسرے چند
تظیمی افعال جیسے رکوع و سجدہ وغیرہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا اور اس کی
طرف دعوت و ترغیب کا ذریعہ بناتا ہے۔۔۔۔۔ آگے فرماتے ہیں۔۔

والصلوة معراج المؤمنین سعدۃ للقبلیات والاخریۃ۔۔

..... وسبب عظیم لمحبتہ اللہ ورحمۃ..... واذا تمکنت من

العبد اضل فی نود اللہ وکفریت عنہ خطایا..... ولا شئی انفع

من سوء المعرفة منها اذا فعلت افعالها واقلها اعلی حضور

العقل والنیۃ الصالحۃ..... واذا جعلت رسماً مشهوراً نفع

من غوائل الرموز بعبایید وسمارت شعاراً للمسلم یتمیز بہ من

الکافر... ولا شئی فی تمرین النفس علی انقیاد الطبیعة

للعقل وجریانہا فی حکمہ مثل الصلوۃ ————— ۴۳-۴۴ جلد ۱

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے نماز کی مندرجہ ذیل چند خصوصیات اور تاثرات
بیان کی ہیں، اول یہ کہ وہ اہل ایمان کی معراج ہے، اور آخرت میں تجلیات انہی کے جو نظارے
اہل ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں، ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص
ذریعہ ہے۔۔۔۔۔ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔۔۔۔۔ سوم

یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے، اور اس کی رُوح پر نماز کی کیفیت کا ظہر ہو جاتا ہے تو وہ بندہ اور انہی کی سوجوں میں ڈھب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے (جیسے کہ کوئی سیلی گیلی چیز دنیا کی سوجوں میں ڈر کر پاک صاف ہو جاتی ہے، یا جیسے لوہا آگ کی بھٹی پر لپکا کر صاف کیا جاتا ہے)۔ چنانچہ یہ کہ نماز جب حضور قلب اور صادق نیت کے ساتھ پڑھی جائے تو غفلت، دُور بُرے خیالات و دساؤں کے ازالہ کی وہ بہترین اور بے مثل دوا ہے۔ پنجم یہ کہ نماز کو جب پوری اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک معروف و مقربہ امدادی وظیفہ بنا دیا گیا تو اس کی جس قدر کفر و شرک اور فسق و فحش کی بہت سی تباہ کن رُسوم سے حفاظت کا فائدہ بھی حاصل ہو گیا اللہ اعلم۔ اور ایک ایسا امتیازی شمار اور دینی نشان بن گیا، جس سے کافر اور کلم کو پہچانا جاسکتا ہے۔ ششم یہ کہ طبعیت کو عقل کی رہنمائی کا پابند اور اس کا تابع فرمان بنانے کی مشق کا بہترین ذریعہ بھی نماز کا نظام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی یہ تمام خصوصیات و تاثیرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ارشادات سے اخذ کی ہیں، اور ہر ایک کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن چونکہ وہ پوری پوری حدیثیں آگے اپنی اپنی جگہ پر آنے والی ہیں اس لیے ہم نے شاہ صاحب کے حوالوں کو اس عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

نماز کی عظمت و اہمیت اور اُس کے امتیاز کے بارے میں جو کچھ مذکور بالا اقتباسات میں شاہ صاحب نے فرمایا ہے ہم اس کو بالکل کافی سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب ناظرین کرام شاہ صاحب کے ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر نماز سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھیں۔

نماز ترک کرنا ایمان کے منافی اور کفرانہ عمل ہے:-

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَبْتَغِي الْعَبْدُ وَبَيْنَ الْكُفْرِ بِتَرْكِ الصَّلَاةِ ——— رواه مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کے دو کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا قاصد ہے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شاخہ ہے، اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔

(۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلَاةِ فَمَنْ تَرَكَهَا
فَقَدْ كَفَرَ۔ ——— رواه احمد والترمذي والنسائي وابن ماجه

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و پیمان ہے، یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شاخہ ہے، پس جو کوئی نماز چھوڑے تو گویا اُس نے اسلام کی راہ چھوڑنے کے کا فرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔

(۵) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا أَشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعَتْ وَحُرِّقَتْ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَجِّدًا
فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَجِّدًا فَقَدْ بَرِئْتُ مِنْهُ الدِّمَةُ وَلَا تَشْرَبِ
الْخَمْرَ فَلَنْهَا مُنْعَجًا كُلِّ شَيْءٍ ——— رواه ابن ماجه

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے گھر سے کڑیے جائیں اور تمہیں آگ میں بھول دیا جائے

۱۔ زخیر دار کبھی بالا بارہ نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے وہ دانستہ اور عمدتاً نماز چھوڑ دی تو اس کے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لیے ہے، اور زخیر دار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی گنجی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس طرح ہر حکومت پر اس کی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور رعایا واجب تک بھاد میں کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی تسخیر بھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان والے دلائل اور دین اسلام قبول کرنے والوں کے لیے کچھ خاص نماز و افعات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے جس کا ظہور انشاء اللہ آخرت میں ہوگا اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بتایا ہے کہ دیدہ و دانستہ اصلاً بارہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے، بلکہ باخیزانہ قسم کی ایک کسرشی ہے جس کے بعد وہ شخص سب کیم کی حمایت کا مستحق نہیں رہتا اور محبت خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی معنیوں کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے، لیکن اس کے آخری الفاظ تا تک نماز کے بارہ میں یہ کہہ کر ختم فرمایا تھا کہ **فَمَنْ تَرَكَهَا مَتَّعْتُهُمْ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ** (رواہ الطبرانی، الترغیب للرزقی) ہو گیا۔

ان حدیثوں میں ترک نماز کو کفر یا کفر سے خروج اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کا ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص لٹھ ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ظاہر اس بات کی ہے کہ وہ شخص رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے آپ کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے۔

کر لیا ہے۔ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد عادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی شخص مومن اور مسلمان ہونے کے بعد تبارک نماز بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس دور میں کسی کا تبارک نماز ہونا اُس کے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شنیق نے صحابہ کرام کے بارہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ۔

كَانَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا
مِنَ الْاِسْمَاعِيلِ تَرَكَهٖ كَفَرًا غَيْرَ
كَفَرٍ نَحْنُ نَكْتَبُهُ

الصَّلَاةُ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ جامع نزہی)

تو تراہا جو کہ نہ کیا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ اور معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا علی ثبوت ہے اور اہل بیت اسلامیہ کا خاص لوازم شامہ ہے، اس لیے اس کے ترک کہ وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی سلامت سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان محدثوں سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر اہل سنت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ بہر حال اس کے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا ثابت یہ صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہو جاتا ہے خواہ اُس کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔ لیکن دوسرے اکثر ائمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترک نماز اگرچہ ایک کافرانہ عمل ہے

جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر کسی بخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہے مگر اس کے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگرچہ وہ دنیا و آخرت میں محنت سے سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹھیک نہیں گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا اسباب میں ترک نماز کو جگہ نہ ملے گی اس کا مطلب کا فرائض میں ہے اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور عجز ظاہر کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَمْرَ الصَّلَاةِ يُؤْمَرُ أَهْلُهَا مَنْ حَافِظُهَا كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ أَثْمَانٍ وَنَجَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يَحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ ثَوْرٌ وَلَا بُعْهَانٌ وَلَا نَجَاتٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَابْنِ مَرْيَمَ خَلَّتْ

بَعْدَهُمْ أَمْهَالُهُمْ وَأَسْبَقَ فِي شَبَابِهِمْ

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہوگی، (جس سے قیامت کی اذہیریں میں اس کو روشنی ملے گی) اور اس کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اسکی وفاداری اور اطاعت شہادی کی نشانی، اور دلیل ہوگی، اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا اور اس سے غفلت اور بے پردائی برتی، تو وہ اس کے واسطے نور نہ بنے گا، نہ ایمان اور نہ ذریعہ نجات، اور وہ بخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور شرکین مکہ کے سرغنہ ابوبکر بن خلعت کے ساتھ ہوگا۔

(مسند احمد، مسند دارمی، شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جہم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہنچائے گا جہاں فرعون دہقان اور قارون اور زلیٰ ابن خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قید خانہ میں بہت قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔

نماز نہ چھگانے کی فرضیت اور ان پر عذر مغفرت :-

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنِ وَضُوءٍ هُنَّ وَصَلَاتُ مَنْ لَوْ هَيَّجَتْ وَأَسْرَرَ كَوْعَهِنَّ وَخَشَوْعَهِنَّ كَانَتْ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ ————— رواه احمد والبيهقي

پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور خشوع و خضوع کے ساتھ ان کو پڑھا اور دیکھ بھجی جیسے کرنے چاہیے ویسے ہی کیے اور خضوع کی صفات کے ساتھ ان کو لکھا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخشے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارے میں اس نے کوئی کی تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخشے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔)

(مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اتہام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاً وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان یا نفس کے فریبے کہیں اُس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اُس کو توبہ واستغفار کی توفیق ملتی ہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور

مشاہدہ بھی ہے، اور اس کے علاوہ نماز اس کے لیے کفایہ سینات بھی بنتی رہے گی اور ہر نماز پر ہر
خود گناہوں کے میل کھیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق
بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لیے بھی باعثِ رشک ہے، اس لیے جو بندے نماز کے
شرائط و ادب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خوشع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کا شمار
بالکل یقینی ہے، اور جو لوگ عوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے ان کے علاوہ
کے مطابق، اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے اُن کو سزا دے یا اپنی رحمت سے صاف
فرمائے اور بخش دے۔ بہر حال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گائیڈ نہیں

نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ :-

(۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَرْبَعُ شَيْئَاتٍ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ لَغْتَسِلَ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَسَا
هَلْ يُبْقِي مِنْ دَرَبِهِ شَيْءٌ قَالُوا لَا يَبْقَى مِنْ دَرَبِهِ شَيْءٌ هَلْ
كَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَاةِ الْخَشْيَةِ يَحْتَوِ اللَّهُ بِهَا الْخَطَايَا۔

علاء الدین سیوطی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
نہر ارشاد فرمایا تھا اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہری جاری ہو جس میں صفائے پاؤں و
دھونا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کھیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بچائیں
باقی رہے گا، آپ نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پاؤں و نہر کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے
ذریعہ سے غفلتوں کو دھوا اور مٹاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صاحب بیان بندہ جس کو نماز کی حقیقت غیب پر جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا
نہر گویا اللہ تعالیٰ کے بحرِ مہال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے، اور جس طرح کوئی سیلاب کھلا اور گہرا نہر

دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک و صاف اور اعلیٰ ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے نور کی برصیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب ان میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہ سکے گا، پس یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔ اگلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں اور دوسری مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

(۷) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشَّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَأَخَذَ بَعْضَتَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَبَجَلْ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ تَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافَتُ هَذِهِ الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ.

رواہ احمد

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کے سب سے) انہوں جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اُس کے پتے جھڑنے لگے، پھر حضور نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اے ابو ذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا جب مومن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اُس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ (مسند احمد)

(تشریح) یعنی جس طرح آفتاب کی شعاعوں اور موسم کی خاص ہواؤں نے ان پتوں کو خشک کر دیا ہے اور اب یہ ہوا کے معمولی بھونکوں سے اور ذرا حرکت دینے سے اس طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جب بندہ مومن پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اُس کی رضا جوئی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو انوارِ الہی کی شعاعیں اور رحمتِ الہی کے جھونکے اس کے گناہوں کی گندگی کو فادہ

اُس کے قصوروں کے خس و خاشاک کو اُس سے جدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

(۸) عَنْ عُمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا مِنْ أَمْرٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُصَلِّيَ وَضَوْعَهَا
وَحُشْوَعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذَّنُوبِ
مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً وَكَالِإِلَاقَةِ الذَّهْرِ كُلِّهِ..... رواه مسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، پھر
پورے شروع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے
پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو یا جو اورد
نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی
ہے اور پہلے گناہوں کی گندگی کو دھو دالتی ہے اس شرط کے ساتھ شرط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ
گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نجاست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک
اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے، اِن اللہ تعالیٰ چاہے تو
یونہی معاف فرمادے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

نماز پر رحمت اور مغفرت کا وعدہ :-

(۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تَوَضَّأَ فَيُصَلِّيُ وَضَوْعَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّيُ
رَكَعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بَقْلِيهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ.....

رواہ مسلم

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اپنی قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنت اُس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی نماز اگر صرف دو رکعت بھی قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ پڑھی جائے، اور اس کے لیے وضو بھی تعلیم نبوی کے مطابق اہتمام سے کیا جائے، تو اللہ کے نزدیک اُس کی اتنی قیمت ہے کہ اس کا پڑھنے والا لازمی طور پر جنت پالے گا۔

(۱۰) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجَعْفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى سَجْدَةً تَيَّيَّنَ لَا يَسْهُوُ فِيهَا مَا عَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

رواہ احمد

حضرت زید بن خالد جعفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے، جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس نماز ہی کے صلہ میں اس کے سارے سابقہ گناہ معاف فرمائے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) مسند ربیعہ بالا حدیثوں کی تشریح میں اور پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہی اس حدیث کی تشریح کے لیے بھی کافی ہے۔

افسوس کیسی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ترغیبی اور ترہیبی ارشادات کے باوجود امت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پروا ہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے احسان و عنایات سے محروم، اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

نماز کے اوقات

نماز سے جو اعلیٰ مقاصد حاصل ہونا چاہئے ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذتیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات ہمیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صرف کرنے سے ضروری قرار دیئے جاتے، لیکن چونکہ حکمت الہی نے انسان پر اہم و بجا بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب پہلا کام بارگاہ قدوسیت میں حاضری و اظہار نیاز اور بندگی کے ميثاق کی تجدید ہو، پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے۔ پورے آدمی دن کے اس وقفہ کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہر حال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر ادا کی جائے تاکہ غفلت یا بارگاہ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے آثار شریعہ ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے

اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے ربِّ قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ پھر دن کے ختم ہونے پر غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ کی رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہِ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں۔ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ دنیا کی زندگی کا ہمارا آخری عمل ہی نماز ہو، اور ہم اپنے مالک سے رابطہ نیا قائم کر کے اور ایمان و عبادت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں۔ اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی ہے، وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت بھی پڑھ سکتے ہیں یا دہریانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کہ کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے دہریانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے عزمی کے لیے ہر نماز کی قدر قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشن ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا اور مغرب کے بعد عشاء کا مختصر اور اس کے لیے فکر مند نہ بننا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے اور اس طرح گویا اس لیے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں باطنیانہ سے انجام دے سکیں تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان بھی چاشت کی چند کھیتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو ان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، البتہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدمی عبادت گزارنے کے بعد کئی وقت پڑھ کر تہجد کی چند کھیتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی بڑی تفسیلات

بیان فرمائی ہیں، اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا۔
چاشت اور تنہج کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیبی ایثار و اتقان اپنے موقع پر
آئیں گے یہاں تو یہ تنہجی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد
اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَفْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ وَقْتُ صَلَاةِ
الْفَجْرِ مَا لَمْ يُطْلِعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْإَوَّلُ وَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ
إِذَا ذَلَّتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَا لَمْ تَخْضُرِ الْعَصْرُ وَقْتُ
صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْغُرِ الشَّمْسُ وَيَنْقُطْ قَرْنُهَا الْإَوَّلُ وَقْتُ
صَلَاةِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَا لَمْ يَنْقُطِ الشَّقَقُ وَقْتُ
صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى لُصْبِ اللَّيْلِ — نَدَاهُ أَنْبَارِيُّ وَتَلَمَّ وَالْفَخْزَةُ لَنَلَمَّ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز
کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو،
یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور اُفق پر اس کا کنارہ فراہم ہو جائے
تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اور ظہر کا وقت اُس وقت ہو تا ہے جب آفتاب
بچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب
تک کہ عصر کا وقت نہیں آجائے، اور عصر کی نماز کا وقت اُس وقت تک ہے جب
تک کہ سورج نود نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی
نماز کا وقت اس وقت ہو تا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس
وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدمی

رات تک ہے۔

صبح بخاری صبح مسلم

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جاسکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیسا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا وقت اُس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو۔۔۔۔۔ اس شفق کی قیمن اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سُرخ رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ سُرخ ختم ہو جاتی ہے اور اُس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور یہی آجاتی ہے۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سُرخ کا نام ہے اس لیے ان حضرات کے نزدیک سُرخ ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سُرخ اور اُس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اس لیے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اُس وقت ختم ہوتا ہے جب مغربی آفتاب پر سفیدی بھی باقی نہ رہے اور یہی آجائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق

لے یہ سُرخ اکثر زمیں میں قریب ایک گھنٹہ تک رہتا ہے۔ یہ سفیدی اکثر زمیں میں قریب آدھے گھنٹے تک رہتا ہے۔

اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور پھر نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب
 خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں پڑا
 تھا جو شام کو ہوجاتا جو پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں
 نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی) پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی
 تو آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی
 گئی) پھر رات کے ختم ہو جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے ان کو حکم دیا اور
 انھوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی) پھر جب دسرا دن ہوا تو آپ نے
 بلال کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر رات تاخیر
 کر کے اٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپ کے حکم انھوں نے ٹھنڈے وقت
 پڑھ کر اقامت کہی اور خوب بھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کر کے
 ظہر اس دن بالکل آخری وقت پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی
 کہ آفتاب اگرچہ اونچا ہی تھا، لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ سُرخ کر کے پڑھی
 اور مغرب کی نماز آپ نے شفق کے غائب ہوجانے سے پہلے پڑھی اور عشاء
 تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت میں (یعنی
 دن کا اُجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں
 جو نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کرتے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر
 ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ان سے فرمایا، تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان

(صبح مسلم)

ہے جو تم نے دیکھا۔

(تشریح) ان سائل کو نماز کے اوقات کا اول و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے صرف ذاتی تعلیم و تہنیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کر کے دکھایا جائے، اس لیے آپ نے
 ان سے فرمایا کہ وہ وہی ہمارے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپ نے ہر نماز اول وقت

پڑھی، اور دوسرے دن ہر نماز جائز حد تک نوغز کر کے پڑھی اور ان سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت اولیٰ وغیرہ یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نماز پڑھنا دیکھا۔

(۱۴) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَابْنِي عَلَى ابْنِ بَرَزَةَ
الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ ابْنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْعَجِيرَ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا
الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَجْمَعُ أَحَدَنَا
إِلَى رَجُلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ
فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَعِيبُ أَنْ يُؤَخَّرَ الْعِشَاءُ الَّتِي تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ
وَكَانَ يَكْرِهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَتَقَبَّلُ مِنْ
صَلَاةِ الْعِدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْدُرُ بِالْمَسْتَرِينَ
إِلَى الْمَلَأَةِ

رواہ البخاری

نیا ابن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو بکرہ سلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو
میرے والد نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں
کیسے پڑھا کرتے تھے؟ (یعنی آپ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انہوں
نے فرمایا کہ آپ دو پہر والی نماز جس کو تم لوگ نماز اولیٰ کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت
پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے
بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا...
..... تو ایسے وقت پھر سچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا (یعنی اس
میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی۔ وہ زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا۔) آگے
نیا ابن سلامہ کہتے ہیں) اور میں یہ بھول گیا کہ حضور کی مغرب کی نماز کے بارے میں

انہوں نے کیا بتایا تھا (اگے) دوبرہہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ، اور عشاء (جسے تم لوگ عتہ کہتے ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اُجلے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا۔ اور آپ (فخر کی نماز میں) ساتھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے راوی شیاری بن سلامہ کو یاد نہیں رہا کہ ابوہریرہؓ سلمی رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی مغرب کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا۔ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہونے ہی پر حاکم تھے، کبھی کسی خاص ضرورت اور معلومت ہی سے آپؐ نے مغرب کی نماز تاخیر کر کے پڑھی ہے۔

(١٥) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ وَابْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْمَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةً وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَحِبَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ يَحْتَلُّ وَإِذَا أَقْلُوا أَخْرَجُوا لِيُصَلِّ بِغُلَسٍ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ بیچگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انہوں نے بتایا کہ طرک کی نماز آپ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرجی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور

عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ پورا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تھے تو مؤخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابویہ سلمیٰؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا۔ جب گرمی سخت پڑتی تھی تو آپ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حد تک ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپ نے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْخَرْدُ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ يَجَلَّ — رواه البخاري
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (نسائی)

(۱۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا امْتَدَّ الْخَرْدُ فَأَبْرَدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ مَثَدَةَ الْخَرْدِ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ — رواه البخاري

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کر دو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے

بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فَاَنْزِلُوْا بِالصَّلٰوۃِ" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس

سے بھی نظر ہی ہے)

(تشریح) دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی بھی ان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش، دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالم باطن، اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان تھائی میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے، اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے، اس دنیا میں جو کچھ راحت و لذت یا تکلیف و مصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود و خزانہ کا کوئی ذرہ اور انہی اتنا ہند سندھ کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اس کو اس مرکز و مخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش و خروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد یہی اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک منظر ہے اور خلی و ٹھنڈک محبت خداوندی کی لہر ہے اس لیے جس موسم میں نصف النهار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے نفا جہنم میں رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقت عصر کے بارے میں آپ کا معمول اور آپ کی ہدایت :-

(۱۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الدَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي
فَيَأْتِي الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی
نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا پس جو اسی زمین کی
بالائی آبادیوں کی طرف جانے والا آدمی (صنوبر کے ساتھ عصر پڑھ کے)
چلتا تھا تو وہ عموماً ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا
ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی پہلی صدی
ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت
کے سبھی تقریباً پچاس سال انہوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانہ میں بنو امیہ کے بعض خلفاء اور
اعزاء عصر کی نماز میں بہت تاخیر کرتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرز عمل کو
بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے تھے، اس
حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معسول
عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور
اپنی حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عصر پڑھ کر اگر
کوئی شخص عموماً کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہنچتا اس وقت تک بھی آفتاب بلند ہی
ہوتا۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے جب حضور مدینہ تشریف لائے تو ان کا عمر قریباً
دس سال کی تھی ان کی والدہ ام کلثوم نے ان کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں نئی تعلیم
کی خدمت پر بعبرہ منتقل ہوئے۔ ۹۱ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کے سبب وفات کے بارہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں
لیکن راجح یہ ہے کہ آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی، واللہ اعلم

عمرائی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے سے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دتین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔
 (۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ صَلَوةِ الْمُنَافِقِ يَخْلُسُ بِيَرْقُبُ النَّفْسَ حَتَّى إِذَا ضَعُفَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ قَامَ فَخَفَرَا زُبْعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهُ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان چر جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مائے ادران میں اتر کر بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں ملا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار کتیس پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مومن کو چاہیئے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صبح وقت پر اور طمانیت اور تعبدی کے ساتھ پڑھے جلدی جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

"شیطان کے دو قرنوں" کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض

۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-

اور احادیث میں بھی آیا ہے، ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اس کے دُقرنوں اور اُن کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شامین نے کھلے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ تمثیل ہو۔ واللہ اعلم۔

وقت مغرب کے بارے میں :-

(۲۰) عَنْ أَبِي آيُوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ أَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخَّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُومُ — — — رواه ابو داود

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی رہا فرمایا کہ طریقہ غلط پر رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ ستارے گنجان ہو جائیں۔ (مسند ابی داؤد)

(تشریح) مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اول وقت ہی پڑھتے تھے، اور جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ تاروں کا حال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح بخاری میں عبد اللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد دو عطف شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا ”الصَّلَاةُ الصَّلَاةُ“ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

ان کو ڈانٹا اور کبھی کبھی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو توبہ لایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

وقت عشا کے بارہ میں :-

(۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُؤُلَا أَنْ أَمْسَى عَلَى أُمَّتِي لَا مَرْتَبَهُمْ أَنْ يُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ يَضَعُوهَا ————— رواه احمد والترمذي وابن ماجه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشا کی نماز تہائی رات یا آدمی رات تک مؤخر کر کے ہی پڑھا کرے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكُنْ شَا ذَاتَ لَيْلَةٍ فَتَنْظُرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةَ فَخَرَجَ إِلَيْنَا حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَذَرُ أَشْيَ شَعَلَهُ فِي أَهْلِهِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ فَقَالَ حِينَ خَرَجَ اسْكُمُ تَنْتَظِرُونَ صَلَوةً مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا أَنْ يَسْقُطَ عَلَى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِنَّ هَذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ آمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَوةَ وَصَلَّى ————— رواه مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات نماز عشا کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے، پھر آپ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے

بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کو پیش آگئی تھی۔ بہر حال جب آپ گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلدادگی کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا انتظار سے سوا کسی دوسرے دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہو تا کہ میری امت کے لیے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا دیکھو کہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے (اس کے بعد آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اُس نے اقامت بھی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کا افضل وقت اگرچہ وہ ہے جبکہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشا کے لیے سویرا جمع ہو جاتے تو آپ جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت پر اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابلِ لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت و رعایت کا ثواب انشاء اللہ اُس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہوگا۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ

میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی نفیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشا کی فرضیت اس اُس کے خصائص میں سے ہے۔ کسی اور اُمت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

(۲۳) عَنْ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ إِلَّا خَيْرَةً كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِ السَّقُوطُ الْقَمَرِيَّةَ لَيْلَةَ رَوَاهُ ابُو دَاوُدَ وَالدَّيْلَمِيُّ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس نماز عشا کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جانتے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، سند دلدی)

(تشریح) تجربہ اور حساب معلوم ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اتنے ہی وقت نماز عشا پڑھنے کا تھا۔

وقت فجر کے بارہ میں:-

(۲۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْصَلِي الصُّبْحِ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِعَاتٍ بِمِرْطَاطٍ مَا يَعْرِفْنَ مِنَ الْغَلَسِ رَوَاهُ ابُو حَازِمٍ وَابُو يَزِيدَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فاسخ ہو کر)

اپنی چاروں میں لمبی داپس باتیں تو اندھیرے کی جیسے پہچانی نہ جا سکتیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھر کو داپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چاروں میں لمبی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قدم قامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲۵) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكِيَّ بْنَ ثَابِتٍ تَسَعَّرَ أَفْلًا فَرَعَا مِنْ سُجُودِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُجُودِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ قَالَ قَدْ رَمَا يَفْرُو الرَّجُلُ مِائَتَيْنِ أَيْتَهُ

رواہ البخاری

حضرت قتادہ تابعی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنے نماز پڑھاؤ (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پہچان لیا کہ ان دونوں کے کھانسنے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ بس اس قدر کہ کوئی آدمی تین دیر میں ستائیس عید کی پچاس آیتیں پڑھے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی جنھوں کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، مگر ابھی حضرت صدیق کی حدیث سے

بھی معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپ کا عام طریقہ نہیں تھا، جیسا کہ ابو بزرہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے جن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْغَرُ رُبَا الْفَجْرِ فَانَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔

رداء ابو داؤد و الترمذی والدارمی

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرنا ز فجر یعنی صبح کا اٹھالا پھیل جانے پر فجر کا نماز پڑھو، کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرے اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جاسکتی تھیں۔

اللہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اٹھالا پھیل جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو گھنٹی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجہ سب سے زیادہ صحیح ہے کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اٹھالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ سراج مکہ بھی اہل صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لیے سہولت اسی میں تھی کہ نماز فجر تاخیر سے نہ پڑھی جائے۔ دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلے ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ عام معذروں کی سہولت کے خیال سے عشاء و عموماً سویرے پڑھتے تھے اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غلے میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہو کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم و اعلیٰ تر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گنہگار اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں (یعنی اکیلا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلے میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے۔ ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اول وقت یعنی غلے ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا۔

بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلے میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

آخر وقت نماز پڑھنے کے بارہ میں :-

(۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةً لَوْ قُبِلَ فِيهَا الْآخِرُ مَرَّتَيْنِ حَتَّى

قَضَاهُ اللَّهُ تَعَالَى ————— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اس کے آخری وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کا اول انہود وقت بتانے کے لیے آپ نے اکیس دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں — یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے (۱۳۲) پر درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضور کا طریقہ نہیں تھا۔

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَالْحَنَازَةُ إِذَا احْضَرَتْ وَالْأَيْدُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُوءًا ————— رواہ الترمذی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کیجیو، نماز جب اس کا وقت آجائے۔ اور حناڑہ جب تیار ہو کر آجائے، اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ عجلہ کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے علی ہذا جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز کے وقت سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اُٹھے اسی وقت پڑھ لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اُٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اُسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہے کہ حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپ اور آپ کے رفقاء چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلال نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگا دینے کی ذمہ داری لے لی۔ لیکن تعذیر الہی کہ صحابہ کے بالکل قریب خود حضرت بلال کی آنکھ لگ گئی اور سو رہ گئے۔ یہاں تک کہ سوچ نکل آیا، سب پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کے اُٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت سوچ اور صدمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذانِ ظہارِ جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا۔ گناہ اور جرم جب سب سے جب آدمی جاگتے رہے اور دانستہ نماز تفصا کرے۔

(مختصراً و صحیحاً)

اذان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں صحابہ کرام سے بھی مشورہ فرمایا کسی نے کہا کہ اس کے لیے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جائے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کر دی جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں زنگ لگایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور ہلادے کے لیے زنگ لگایا کریں، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا اور آپ اس مسئلہ میں متفکر رہے آپ کی اس فکر مندی نے بعض صحابہ کرام کو بھی بہت متفکر کر دیا، ان میں سے ایک نصاریٰ صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربیع نے جو حضور کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکر مند اور بے چین ہو گئے تھے، اسی رات خواب دیکھا جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی، اس خواب میں انھیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی انھوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ”ان شاء اللہ یہ رؤیا واقعی ہے“ یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے۔ یہ بات آپ نے یا تو اس لیے فرمائی کہ ان صحابی کے خواب بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپ پر بھی اس بارہ میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں یہ بات

ڈالی، بہر حال آپ نے ان صحابی عبد اللہ بن زید سے فرمایا کہ تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کرو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لیے اسی طرح اذان دیا کریں۔ پس اُس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور امت مسلمہ کا خاص و عام شعار ہے۔ اس تمہید کے بعد اذان و اقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیے:

اسلام میں اذان کا آغاز:-

(۳۱) عَنْ أَبِي عُمَيْرٍ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنْ الْأَنْصَارِ قَالَ إِهْتَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ كَيْفَ يُجْمَعُ النَّاسُ لَهَا فَقِيلَ لَهُ انْصِبْ رَأْسِيَّةً عِنْدَ حُضُورِ الصَّلَاةِ فَإِذَا رَأَوْهَا أَذَّنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذَلِكَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ الْفَيْعِيُّ شُبَّانُ الْيَهُودِ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذَلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ أَمْرِ الْيَهُودِ قَالَ فَذَكَرَ لَهُ النَّاقُوسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ أَمْرِ النَّصَارَى خَافُصَرَةُ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ رَبِيعٍ وَهُوَ مَهْشَمٌ لِعِمِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرَى الْأَذَانَ فِي مَنَامِهِ قَالَ فَغَدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَبَيِّنٌ نَائِمٌ وَيَقْظَانِ إِذَا تَنَانِيْتُ فَأَرَانِي الْأَذَانَ..... فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَنْظِرُوا يَا مَرْثُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَبِيعٍ فَأَفْعَلَهُ قَالَ فَأَذَّنَ بِلَالٌ.

رواہ البرادہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض چچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے فکر ہوئی (اور آپ نے مشورہ بھی فرمایا)
 کہ اس کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے ،
 پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک بھڑا نصب کیا جائے جب
 لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے ، رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند نہ آئی ، راوی کا بیان ہے کہ اس مسئلہ میں
 آپ کے سامنے یہودیوں کے بھونچوکا بھی ذکر کیا گیا ، آپ نے فرمایا وہ تو یہودیوں
 کی چیز اور ان کا طریقہ ہے اور اس کو بھی آپ نے پسند نہیں کیا ، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا
 آپ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کا پیڑھی ۔ (الترمذی اس مجلس میں کوئی باطلے نہیں
 ہوئی) اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی فکرمندی کو دیکھ
 کر آپ کے ایک انصاری عابدی عبداللہ بن زید بن عبد ربیع بھی بہت فکرمند
 ہوئے اور اسی فکرمندی کی حالت میں حضور کی مجلس سے واپس آکر پڑ گئے ،
 پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انہوں نے اذان سے متعلق خواب
 دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) ،
 وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 رات جبکہ میری حالت یہ تھی کہ نیم غفلت اور نیم بیدار تھا ، نہ پوری طرح بیدار تھا
 اور نہ سویا ہی ہوا تھا میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اُس نے مجھے اذان کہہ کر
 دکھائی (پھر انہوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی) حضور نے فرمایا ،
 ہلا ! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید جو تم سے کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی
 ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم
 کی تعمیل کی اور اذان دی ۔ (سنن ابی داؤد)

(فائدہ) ابو داؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زید کے حضور کی

اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَلَمَّا أَصْبَحَتْ أَتَيْتُ رَسُولَ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ
 إِنَّهَا لَكُرُؤِيَا حَقٌّ إِنِّ شَاءَ اللَّهُ فَقَسَمَ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقَى عَلَيْهِ
 مَا رَأَيْتُ فَلْيُؤَدِّنْ بِهِ فَإِنَّهُ أَتَدْنِي صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ
 مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أَلْقِيهِ عَلَيْهِ وَيُؤَدِّنُ بِهِ قَالَ هَمَّعَ دَا
 عِمَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ
 يَجُرُّ رِدَاءَهُ وَيَقُولُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُولَ
 اللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ -

رواه ابو داؤد والدارمی

عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے
 والد اجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ناؤں کے لیے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اس کے ذریعہ نماز باجماعت
 کا اعلان لوگوں کے لیے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے
 ہاتھ میں ناؤں لیے ہوئے تھا میں نے اُس سے کہا، اے اللہ کے بندے! یہ
 ناؤں تم نیچے ہو، اُس نے کہا تم اس کا کیا کر دگے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعہ
 اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے لایا کریں گے۔ اُس نے کہا کیا میں تم کو ایک
 ایسی چیز بتا دوں جو اس کام کے لیے اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہا ہاں
 ضرور بتائیے، اُس نے کہا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر
 اللہ لا اللہ الا اللہ لا اللہ الا اللہ لا اللہ الا اللہ لا اللہ الا اللہ لا اللہ الا اللہ لا اللہ الا اللہ لا
 رسول اللہ، حتی علی الصلوٰۃ، حتی علی الفلاح، حتی علی الفلاح

اشتر اکبر، لا الہ الا اللہ — عبد اللہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوچھا
 اذان تھا کہ وہ شخص مجھ سے بخود ہی دوڑ بیٹھے ہٹ گیا اور بخود ڈے توقف
 کے بعد اُس نے کہا، پھر جب نماز قائم کر دو تو اقامت اس طرح کہو: اللہ اکبر
 اللہ اکبر، اشدان لا الہ الا اللہ، اشدان محمد رسول اللہ، حتی علی الصلوة
 حتی علی الفلاح، قد قامت الصلوة، قد قامت الصلوة، اللہ اکبر، اللہ اکبر
 لا الہ الا اللہ — (عبد اللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی
 صبح ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو
 کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ کو بتایا اپنے فرمایا یہ رویا حق ہے انشاء اللہ
 (اور اپنے مجھے علم دیا کہ) تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کر دو
 جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعہ اذان کہیں
 کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا میں
 ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے — عبد اللہ بن
 زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں سنا تو وہ
 جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 عرض کر رہے تھے، قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ پیش
 فرمایا ہے، میں نے دیا ہی خواب دیکھا ہے میرا عبد اللہ بن زید نے دیکھا
 ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَلِيلَ الْحَمْدِ۔

(سنن ابی داؤد، مسند امامی)

(تشریح) اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے — ایک یہ کہ اس
 میں عبد اللہ بن زید کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعلان
 کے واسطے ناکوس بجانے کے لیے فرمایا تھا، اور حضرت انس کے صاحبزادے ابو عمیر کی جو

روایت اور نقل کی گئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب ناقوس کی بخویر
پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ”وہ نصاریٰ کی چیز ہے“ اس عاجز کے نزدیک اس اختلاب
روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کیلئے جو چند بخویریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے پیش کی گئی تھیں، اُن میں سے جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور بخویر
کے زنگے والی بخویروں کے متعلق تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان
کو نا منظور کر دیا تھا اور اسی لیے ان میں سے ہر بخویر کے بعد کوئی دوسری بخویر پیش کی گئی، لیکن ناقوس
والی آخری بخویر کے بارہ میں آپ نے صرف یہ فرمایا کہ ”ہو من امر النصارى“ (وہ نصاریٰ
کی چیز ہے)، اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نا منظوری سمجھی جاتی
اور ممکن ہے کہ آپ کے اُس وقت کے لب لہجہ سے بھی جن صحابہ کرام نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری
تجاویز کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک اس بخویر کو کچھ ترجیح ہے اور اس بنا پر انھوں نے یہ
خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضور نے بادل ناخواستہ اس بخویر کو قبول فرمایا ہے اور جب تک
کہ کوئی اور بہتر بخویر سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی بخویر ہی پر عمل ہو گا اور غالباً اسی
لیے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور بخویر نہیں پیش کی گئی، بہر حال اس عاجز کا خیال ہو
کہ حضرت عبداللہ بن زید نے غالباً اسی صورت کو ”أَمَرَ بِالنَّاقُوسِ“ سے تعبیر فرمایا ہے،
کبھی کبھی کسی چیز کی احادیث اور اعتیادینے کو بھی امر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن حدیث
میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ
کہے گئے تھے اقامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ آگے حضرت انس بن مالک
رضی اللہ عنہ کی جو روایت آ رہی ہے اُس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات
کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں جن میں سے بعض آگے
درج بھی کی جا رہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے، اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا

دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بنا پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس پر شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور اختیاریت میں کیا جاسکتا ہے۔

(۳۳) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ ذَكَرُوا أَنَّ يُغْلَبُوا وَفَتَّ الصَّلَاةُ بِشَيْءٍ لَيَعْرِضُونَ فَذَكَرُوا أَنَّ يُؤْزَفَانَا أَوْ لَيُضَرِّبُونَا فَوَسَّاءُ فَاُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُؤْتِرَ الْإِقَامَةَ.

رواہ البخاری و مسلم واللفظ لـ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لیے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انہوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تا کہ جلدی بروقت جمع ہو جایا کریں)، اس مسئلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کہے یا ناتوس بجایا جائے پھر آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں رکعات (اذان کو) دو دفعہ کہہ کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں واقعہ کہ بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبد اللہ بن زید کے خواب غیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کر دینے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ
عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا
الله

رواہ سلم

حضرت ابو محمد وہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نفس نفیس سکھایا۔ مجھ سے فرمایا کہو:

اشد کبر، اشد کبر، اشد کبر، اشد کبر، اشد ان لا الہ الا اللہ، اشد ان لا الہ الا
اللہ، اشد ان محمد رسول اللہ، اشد ان محمد رسول اللہ۔ آپ نے
فرمایا پھر دوبارہ یہی کہو۔ اشد ان لا الہ الا اللہ، اشد ان لا الہ الا اللہ
اشد ان محمد رسول اللہ، اشد ان محمد رسول اللہ، حئی علی الصلوة
حئی علی الصلوة، حئی علی الفلاح، حئی علی الفلاح، اشد کبر، اشد کبر،
لا الہ الا اللہ۔

(سمیع سلم)

(۳۵) عَنْ أَبِي عَزْدُ وَرْقَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَّمَهُ الْإِذْنَ ثِنْتِ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَإِلْقَامَةً ثَمْنِ عَشْرَةَ كَلِمَةً.

رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارمی و ابن ماجہ

حضرت ابو محمد وہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھے اذان سکھائی اسیں کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، ابن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت ابو محمد وہ کی اوپر دالی روایت میں اذان کے پوسے اسیں کلمے ہیں کیونکہ
شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکمل آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے
کہ شہادت کے کلمے مکمل نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور اقامت الصلوة
قد قامت الصلوة دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا، اس کی اور پیشی کے بعد ان کی تعداد

پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محذورہ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال سنہ ۱۱۰۰ کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خنین سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے دیکھ لیجئے اور ایمان افروز بھی۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ خنین کی طرف تشریف لے گئے جبکہ آپ کے ساتھ ایک غامضی بڑی تعداد ان مطلقاً کی بھی ہو گئی تھی جن کو آپ نے فتح مکہ کے دن ہی معافی دے کر آزاد کیا تھا تو یہ ابو محذورہ بھی جو اس وقت ایک شرخ نوجوان تھے اور سلمان بھی انہیں ہوئے تھے اپنے ہی جیسے نو ادبیار دوستوں کے ساتھ خنین کی طرف چل دیئے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خنین سے واپس ہوئے تھے راستہ ہی میں حضور سے ہماری ملاقات ہوئی۔ نماز کا وقت آنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اذان دی۔ ہم سب اس اذان سے بلکہ اذان والے دین ہی سے منکر و متفرق تھے اس لیے ہم سب ساتھی مذاق اور تسخر کے طور پر اذان کی نقل کرنے لگے اور میں نے بالکل مؤذن کی ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز پہنچ گئی تو آپ نے ہم سب کو بلوا بھیجا، ہم لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیے گئے، آپ نے فرمایا بتاؤ تم میں وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی۔ (ابو محذورہ کہتے ہیں کہ) میرے سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا، اور بات سچی بھی تھی، آپ نے اور سب کو تو جھوٹ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو (ابو محذورہ کا بیان ہو کہ) اس وقت میرا حال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے جس اذان کے دینے کا حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض میرے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی، یعنی میرا دل اسی اذان آپ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا، لیکن میں مجبوراً دے رہا تھا اس لیے ناچار حکم کی

تقبیل کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود اذان بتانی شروع کی اور فرمایا کہوا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ (آخر تک بالکل اسی طرح جس طرح اوپر والی صفحہ میں گزر چکی ہے۔ آگے ابو محمد وہ بیان کرتے ہیں) جب میں اذان ختم کر چکا تو آپ نے مجھے ایک شخصیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھا اور مجھ پر اپنے دست مبارک سے چہرہ پر اور میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینہ پر اور میرے قلب و دگر پر اور پھر نیچے ناک کی جگہ تک پھیرا۔ پھر مجھے یوں دعا دی تَبَارَكَ اللَّهُ هَيْكًا وَبَارَكَ اللَّهُ عَلَیْكَ (اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے) یہ دعا آپ نے مجھے تین دفعہ دی (حضور کی اس دعا اور دست مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر اور نفرت کی وہ لہنت دور ہو گئی اور ایمان اور محبت کی دولت مجھے نصیب ہو گئی) اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حسام کا موزن بنا دیجئے! آپ نے فرمایا کہ جاؤ ہم حکم دیتے ہیں اب مسجد حرام میں تم اذان دیا کرو۔

اس پر زنی تفصیل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شہادت کے کلمے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ مکرر یعنی بجائے دو دو دفعہ کے چار چار دفعہ کیوں کہلوائے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں اس وقت تک ایمان آیا نہیں تھا انھوں نے صرف حکم سے مجبور ہو کر اپنے اس وقت تک کے عقیدے کے بالکل خلاف اذان دینی شروع کر دی تھی اور اذان کے کلمات میں سب سے زیادہ ناگوار ان کو اس وقت شہادت کے یہی دو کلمے تھے (یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ) جب ایک دفعہ وہ کہہ چکے تو حضور نے فرمایا ان کلموں کو پھر دوبارہ کہو اور خوب بلند آواز سے کہو۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ آپ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوا رہے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے توجہ تھی کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے، الغرض یہ بات بالکل قرین

قیاس ہے کہ اس وقت کی ان کی خاص حالت کی وجہ سے آپؐ شہادت کے یہ کلمے مکرر کہلائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ٹوڈن حضرت بلال کو یہ حکم دیا ہوا ورنہ اذان میں شہادت کے کلمے اس طرح چار بار دفعہ کہتے ہوں، اسی طرح عبداللہ بن زید کے خواب کی صحیح روایات میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دو دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محمد ورنہ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے یعنی ان کلموں کو نہ کو نہ بالا ترتیب کے مطابق چار بار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضورؐ نے جس طرح ان اذان کہلاوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو ہو وہی اذان ہمیشہ دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضورؐ کے ٹوڈن بلال کس طرح اذان دیتے ہیں۔۔۔۔۔ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محمد ورنہ کے سر کے لگے حصے (ناصبہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹاتے نہیں تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ جیسی یہ ان کی ایک عاشقانہ و انتہائی اسی طرح ان کی ایک ادایہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے اور بلاشبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس کے بھی جواز میں کبھی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان فرمائی ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قراءتوں کا سا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت :-

اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے انشاء اللہ مفید اور موجب بصیرت ہو گا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقت نماز کے

اعلان کا ایک ذیلہ اور نواز کا بلاد ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات اہام فرمائے ہیں جو دین کی روح بلکہ دین کے پورے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارہ میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لیے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کیے جاسکتے، اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدہ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی کے صاف اور مکمل ہوتا ہے، اس کے لیے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مینا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔۔ پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود ہے 'یہ سوال فوراً سامنے آجاتا ہے کہ اس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اس کے جواب کے لیے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو جاسکتا، اس کے بعد تَحِيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ کے ذریعہ اس صلوٰۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اُس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے۔ اس کے بعد تَحِيَّ عَلَى الْفَلَاح کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات و کامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اس میں عقیدہ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آخر میں اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت و کبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلا شرکت غیرے الٰہ برحق ہے۔ اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب و مقصود بنادو۔

بار بار غور کیجئے کہ اذان و اقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا

کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور موثر دعوت ہے۔ گویا ہادی ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ تبلیغ دعوت نشر کی جاتی ہے۔
ہم مسلمان اگر اتنا ہی کر لیں کہ اپنے بزرگچہ کو اذان یاد کرادیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھا دیں، خصوصاً اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھا دیں تو انشاء اللہ وہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہو سکے گا۔

اذان و اقامت سے متعلق بعض احکام :-

(۶۷) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَنْتَ فَارْسَلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدَثْ وَاَجْعَلْ بَيْنَ اِذَا نِكَ وَاَقَمْتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاَكْلُ مِنْ اَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شَرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَعُوْمُنَا حَتّٰى تَكْرُوْنِي۔ — رواہ الترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزن بلال سے فرمایا کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑ دو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رداں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو لے۔ اور کھٹ نہ ہوا کہ جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں اذان و اقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو

بالکل واضح ہیں کسی تشبیہ کی محتاج نہیں، اجتہاد ہی ہم پر ہے، ولا علوموا حقاً انہ فی "ادارہ" کھڑے نہ ہوا کہ وہ جب اس کے کھینچے کھینچے نہ ہو، اس سے سب سے زیادہ اہم بھی ایسا ہوتا تھا کہ حجرہ شریفہ سے حضور کے مسجد شریف لائے پہلے ہی یہ اندازہ کر کے کہ آپ نماز پڑھانے کے لیے عنقریب باہر تشریف لائے دالے ہیں، لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اس کی آپ نے مانعت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میں بیت تک مسجد میں نہ آ جاؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو، اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کہ۔۔۔۔۔ اس مانعت کی یہ وجہ تو ظاہر ہو کہ پہلے سے کھڑے ہو جانا بے وجہ کی تکلیف اٹھانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ نے تشریف لانے میں دیر ہو جائے، لیکن اس کے علاوہ آپ کی تواضع پسند طبیعت کے لیے بھی یہ بات تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اشر کے بندے صفت باندہ کر آپ کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

(۳۷) عَنْ سَعْدِ مَوْذِنٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَا أَنْ يُخْبَلَ
إِصْبَعَيْهِ فِي أَذُنَيْهِ قَالَ إِنَّهُ أَرَفَعَ لِيصَوْتَيْهِ -

رداء ابن ماجہ

سعد قرظہ جو (مسجد قبا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں نہ لیا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

(۳۸) عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصَّدِائِيِّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَذِنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَأَذَنْتُ فَأَذَاذَ

بِأَنَّ أَنْ يُقِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَا صَدِّقٍ
قَدْ أَذَّنَ وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ۔

رواہ الترمذی والبیہقی وادود وابن ماجہ

زیادین حدیث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھی۔ اس کے بعد جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو بلال نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضور نے میرے معلق (فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۳۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ إِنَّ مِنْ آخِرِ مَا عَمِدْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَخُذَ مُوَدَّةً نَا لًا يَأْخُذُ عَلَى آذَانِهِ أَخْبَرًا

رواہ الترمذی

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب طائف کا عامل بنا کر مجھے روانہ فرمایا تو اس وقت آپ نے) آخر میں جو تاکیدیں فرمائیں مجھے فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ کوئی ایسا موذن متقرر کر لینا جو اذان پڑھنے کی مزدوری نہ لے (میں اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی نیت سے اذان پڑھا کرے)

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ دین کا جن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مسلک یہ ہے کہ اذان پڑھنے کی تنخواہ اور اجرت لینا درست نہیں ہے دوسرے حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو تقویٰ اور عزیمت پر محمول کیا ہے۔

خفیہ میں سے بھی بعض متاخرین اہل فتویٰ نے نماز کے بعض بوجے حالات کے تحت اس میں گنجائش سمجھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اذان اور امامت جیسے دینی اعمال کلمۂ غلط اور تہذیب کا تقاضا یہی ہو کہ وہ خالصاً اور بالشرعوں اور خواہ کا معاملہ اگر ناگزیر ہی ہو تو دوسری متعلقہ خدمتوں اور پابندیوں کے عوض میں ہو اور معاملہ کے وقت یہ بات صاف کر لی جائے۔

(۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا الْإِمَامَةَ وَالْمُؤَذِّنَةَ لِلْمُؤَذِّنِينَ — رواه احمد وابوداؤد والترمذی واثنا عشری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ضامن اور مؤذن دار ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ! اموں کو ٹھیک چلنے کی توفیق دے اور مؤذنین کی مغفرت فرما۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مشنفی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کی بھی ذمہ داری ہے اس لیے اس کو اپنے امکان کی حد تک ظاہراً اور باطناً اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بائے میں اعتماد کیا ہے، لہذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح اور خواہشات کی رعایت کے بغیر صحیح وقت پر اذان پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مؤذن اور امام دونوں کی ذمہ داری بتلائی اور دونوں کے حق میں دُعا کی خیر فرمائی۔

(۴۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَابْنُ عَمِّي فَقَالَ إِذَا سَأَلْتُمَا فَإِذَا نَاوَأْتُمَا وَلْيُؤَمِّرْكُمَا الْكَبِيرُ كَمَا — رواه البخاری

مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچا زاد بھائی بھی ساتھ تھے، تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان و اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھاے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن الحویرث اپنے قبیلہ کے بعض اور آدمیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے کہنے اور حضور کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریباً بیس دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انہوں نے حضور کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام کیا جائے اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کہے چونکہ دین اور علم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔ اور ایسی صورت میں ہی رسول اور سالہ ہے۔

اذان اور مؤذنوں کی فضیلت :-

(۲۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُتُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جَنًّا وَلَا إِنْسًا وَلَا شَيْئًا إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔

رواہ البخاری

نکلتے ہی اندھیرا کا فور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لیے آگ ناقابل برداشت ہے، جہاں آگ روشن کر دی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے، بس کچھ ہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مثلاً مقام روماء ہے۔ (حضرت جابر سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان یہی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روماء مدینہ سے ۶۴ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا ہم کا گولا ہے، جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کا فور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴۴) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمَوَدَّةُ تَكُونُ أَكْطُولُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

رواہ مسلم

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود منہ آپ فرماتے تھے کہ اذان کھنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن (یعنی سر بلند) ہوں گے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے الفاظ ”أَكْطُولُ النَّاسِ أَعْنَاقًا“ کا لفظی ترجمہ تو دراز گردن ہی ہو لیکن شارحین نے اس کے کئی مطلب بیان کیے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد ان کی سر بلندی ہے۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ امتیاز اسی طرح حاصل ہوگا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث میں ان کا یہ امتیاز بھی بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن

مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔

(۴۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلَى كُتُبَانِ الْمَسْأَلَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ آمَنَ قَوْمًا وَهَضَبَهُمْ رَاضُونَ وَرَجُلٌ بَيَّادٍ بِالصَّلَاةِ الْخَمْسِ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ

رداء الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق سمجھا دیا کیا اور اپنے آقا کا بھی، دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام بنا۔ اور لوگ اس کی نیک عملی اور پاکیزہ سیرت کی وجہ سے، اس سے راضی اور خوش رہے۔ اور تیسرا وہ بندہ جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے روزانہ اذان دیا کرتا تھا۔

(جامع ترمذی)

(۴۶) عَنْ زَيْنَبِ عَمَّا سَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدَّى سَبْعَ مَسْتَبِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهُ مَبْرَأَةٌ مِنْ النَّارِ

رداء الترمذی والبرداء والبرہان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے جس بندہ نے سات سال تک اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آتش دوزخ سے برارت لکھ دی جاتی ہے (یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے فرمادیا جاتا ہے کہ دوزخ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور اس کی آگ اور لپٹ کو اس بندہ کو بھونکنے کی بھی اجازت نہیں)۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد، سنن ابی یوسف)

(۴۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ الْمُؤَذِّنِينَ وَالْمُأَذِّنِينَ يَخْرُجُونَ مِنْ هُؤُورِهِمْ مُؤَذِّنُونَ الْمُؤَذِّنِينَ
وَالْمُؤَذِّنِينَ

رواه الطبرانی في الأوسط

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
”اذان کہنے والے اور تبلیغ پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس حال میں نکلیں گے
کہ اذان کہنے والے اذان پکارتے ہوں گے اور تبلیغ پڑھنے والے تبلیغ کی
صدائیں کرتے ہوں گے۔“ (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) اذان اور مؤذنین کی جو غیر معمولی فضیلتیں ان حدیثوں میں بیان فرمائی گئی
ہیں ان کا راز یہی ہے کہ اذان ایمان و اسلام کا شعار اور اپنے معنی و ترتیب کے لحاظ
دین کی نہایت طبع اور جامع دعوت و پکار ہے اور مؤذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ
کا نقیب اور نادی ہے۔ انہوں نے آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور
اذان کہنا ایک حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف
فرمائے اور توبہ و اصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعا:-

(۴۸) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا
قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمْ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ
أَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

۱۔ تمبیہ حج اور عمرہ کرنے والوں کا خاص ذکر اور گویا تہنہ ہے، اور وہ یہ ہے۔ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ
لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالْبَهْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ۔

إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ
 مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا
 قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ
 إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ
 ثُمَّ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِمَّنْ قَلِبَهُ دَخَلَ
 الْجَنَّةَ

رداءہ سلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور اس کے جواب میں تم میں
 سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ اور وہ
 جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ پھر
 مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے اَشْهَدُ اَنْ
 مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ پھر مؤذن کہے حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ تو جواب دینے والا کہے لَا حَوْلَ
 وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ پھر مؤذن کہے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اور جواب دینے والا کہے
 لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور جواب دینے والا
 بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ اور جواب دینے
 والا بھی کہے لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) ناظرین کو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہیے
 کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے، ایک یہ کہ وہ نماز باجماعت کا اعلان اور بلا دہے
 دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دین حق کا فتور ہے پہلی حیثیت سے اذان
 سننے والے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت

کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے۔ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سننے کے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جزو اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی فتور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمانی عہد و وثاق کی تجدید کیا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد کی دعائیں پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی اپنے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک اس کی خاص حکمت یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اذان کا جواب جو ہر ایک معمولی سائل ہے اس پر داخلہ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

(۴۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَمُحُّ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِ مُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ

رواہ سلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے وقت کہے کہ میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

لے اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکید اور ارشادات اتنا اثر کرے جماعت کے بیان

یہ بھی کیے جائیں گے۔ ۱۲

اُس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی و خوش ہوں اللہ کو رب مان کر اور حضرت محمد کو رسول مان کر اور اسلام کو دین حق مان کر، تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
(صحیح مسلم)

(تشریح) نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بائے میں کچھ ضروری وضاحت و تفسیر کے فضائل و برکات کے بیان میں کی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

(۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْإِدَاءَ أَلْفَ مَرَّةٍ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الثَّامِيَةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ ابْنُ مُحَمَّدٍ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْتِغَاءَ مَقَامِ مُحَمَّدٍ الَّذِي وَعَدَتْهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ.

رواہ البخاری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے اے اللہ اس دعوتِ قائمہ کاملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ دائمہ کے رب! یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے (اپنے رسول پاک) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلہ کا خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود و پرستار فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے، تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حقدار ہو گیا۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان تین چیزوں

کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعت محمدی کا خاص طور سے حقدار ہوگا۔ ایک وسیلہ۔۔۔۔۔ دوسرے فضیلہ۔۔۔۔۔ تیسرے مقام محمود۔۔۔۔۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس وسیلہ کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص الخاص مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے، اور سمجھنا چاہیے کہ فضیلہ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے۔ اور اسی طرح مقام محمود وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہوگا اور سب اس کے ثنا خواں اور شکر گزار ہوں گے۔

اسی سلسلہ معارف الہدیہ کی پہلی جلد میں شفاعت کے بیان میں وہ حدیثیں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہوں گی جن میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جو اللہ تعالیٰ کے حلال کے طور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال اور احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے حتیٰ کہ حضرت فح و ابراہیم اور یوسف و عیسیٰ علیہم السلام جیسے العزیز و العظیم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے تو اس وقت بیدار اس صورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اَنَا لَمَّا اَنَا لَمَّا کہہ کر حکم الحاکمین کی بارگاہ حلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب و فضیلہ کی ابتدا اور شفاعت کریں گے اور اسکے بعد گنہگاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا، خود آپ کا ارشاد ہو: اَنَا اَوَّلُ مَنَّا بَعِثَ قَاوِلُ نَسْتَعِیْ (سب سے پہلا شافع میں ہوں گا اور بارگاہ خداوندی میں سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی) نیز آپ کا ارشاد ہو: وَاَنَا حَامِلٌ لِوَاوِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْیَقِیْنَةِ تَحْتَهُ اَدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ وَلَا فَوْقَهُ رِقِیْمَتِ کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء و رسل اور ان کے متبعین میرے اسی جھنڈے ہوا اور احمد کے نیچے ہوں گے) بس یہی ہ

مساجد

اُن کی عظمت و اہمیت اور آداب و حقوق

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے کچھ اشارے بھی کیے جا چکے ہیں۔ ان کی تحصیل تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے، خدا را غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترک جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں (جیسا کہ ناظرین عنقریب ہی پڑھیں گے) اور دوسری طرف آپ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی ”ہذا کا گھر“ اور اُمت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر اُمت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا مسیح ہر وقت مسجد کی طرف ہے، اسی کے ساتھ آپ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی

تعلیم فرمائے۔۔۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے:-

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ إِلَّا إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ إِلَيَّ إِلَّا إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا _____ رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شہروں اور رستوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ بغض من ان کے بازار اور مشنیاں ہیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی و روحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے، اور دوسرا مادی و بھیسی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال و اعمال ہیں، انھیں سے اس پہلو کی تکمیل و تکمیل ہوتی ہے اور انھیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و رحمت کا مستحق ہوتا ہے، اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو "بیت اللہ" سے ایک خاص نسبت ہوئی اس لیے انسانی بنیتوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں۔ اور بازار اور مشنیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کو مادی و بھیسی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جا کر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و مصیبات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ بغض من حصہ ہیں۔

حدیث کی اصل نوح اور اس کا اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ مسجدوں کے

زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور ان کو اپنا مرکز بنائیں اور منڈیوں اور بازاروں میں صرف ضرورت سے جائیں اور ان سے لے نہ لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے اپنی حفاظت کریں۔ ان حدود کی پابندی کے ساتھ بائاموں سے تعلق رکھنے کی جائز دیکھی ہو۔ بلکہ ایسے بزرگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سنائی ہو جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اصولِ دین و دامت کی پابندی کے ساتھ تجارت کی کاروبار کریں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلا عن ملاطفت اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً سخت ناپسندیدہ مقام ہے لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ دلوں کے آنے جانے میں اور قضا و حاجت میں اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و سنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

(۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، إِمَامٌ عَادِلٌ وَمَثَابٌ لِنَشَائِئِ عِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ فَلَبَّ مُعَلَّقٌ بِالْمُسْتَبِيرِ إِذَا أَخْرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَخَابَا فِي اللَّهِ اجْتِمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَلَيْهِ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ ذَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنْ بِي آخَانُ اللَّهُ وَرَجُلٌ لَصَدَقَ بِصِدْقِهِ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ سَهْلًا لَمْ تَنْفِقْ نِيْمَةً

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات قسم کے آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ سے گار قیامت کے اُس دن میں جس دن کہ اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، ایکٹ علی و انصاف سے حکمرانی کرنے والا منسوب و آزاد

دوسرا وہ جوان جس کا تشوہ نما شرکی عبادت میں ہوا یعنی جو بچپن سے عبادت کرتا تھا اور جوانی میں بھی عبادت گزار رہا اور جوانی کی مستیوں نے اسے غافل نہیں کیا، تیسرا وہ مرد مومن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی سے اٹکا رہتا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آجائے، اور چوتھے وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی، اُسی پر جڑے رہے اور اُسی پر الگ ہوئے (یعنی ان کی محبت صرف منہ دیکھے کی محبت نہیں جیسی کہ اہل دنیا کی محبتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب یکجا اور ساتھ ہیں جب بھی محبت ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ اور غائب ہوتے ہیں جب بھی اُن کے دل الٹی محبت سے لبریز ہوتے ہیں)، پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اُس کے آنسو بہہ پڑے، اور چھٹا وہ مرد خدا ہے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہو اور صاحبِ وجاہت و عزت بھی، تو اس بندے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس لیے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا، اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اسکے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں تیسرے نمبر پر ان شخص کو اللہ کے سایہ رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا حال یہ ہو کہ مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں بھی اُس کا دل مسجد سے اٹکا رہے بیشک مومن کا حال یہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان سات باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

(۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نَزْلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ مُكَلَّمًا
غَدَا أَوْ رَاحَ ————— رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے واسطے جنت کی ہمائی کا سامان تیار کر دیتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔

(صبح بخاری و صبح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر میں (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے، رب کریم اس کو اپنے عزیز ہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لیے ہمائی کا خاص سامان تیار کرتا ہے جو دہاں پہنچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامان ہمائی کا یاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

أَلَمْ سَاجِدٌ مَيَّوْتُ اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ
رُؤُوفًا لِلَّهِ وَحَقٌّ عَلَى الْمَرْوَرِ
أَنْ يُبَكِّرَ نَدَائِهِ
مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور اُن میں
حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ
کے ملاقاتی راہر ہمان ہیں اور جس
کی ملاقات کو کوئی آئے اُس پر حق ہے
کنز العمال ص ۱۳۴

کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام اور
اُس کی خاطر داری کرے۔

”تاریخ حاکم“ جس کے حوالے سے یہ روایت کنز العمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں
محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں، خود کنز العمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابواب ہریرہ و ابی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لیے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

(۵۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَصْغِفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوْقِهِ خَمْسَةً وَعِشْرِينَ ضِعْفًا وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ كَأَحْسَنِ التَّوَضُّعِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَغْطِ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَنْزِلِ الْمَلَائِكَةُ تَصَلِّيَ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مَصَلَاةٍ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اللَّهُمَّ ارْحَمَهُ وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْظَرَ الصَّلَاةَ

رواہ ابی ہریرہ و مسلم

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلہ میں جو وہ اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثقاب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور درجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح دھو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جہانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا، تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے، اے ہمارے

۱۷ بعد میں کنز العمال ہی میں بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعود کی روایت سے مجید کبیر طبرانی کے حوالے سے بھی ملی۔

اللہ اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما۔ اس پر رحمت فرما! اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے، اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر بہ نسبت گھر اور دوکان وغیرہ کے ۲۰ گنا ثواب، اور راستہ کے ہر قدم پر ایک درجہ کی لمبائی اور ایک گناہ کی معافی، یہ کتنی بڑی اور کتنی ارزاں دولت ہے؟ اور پھر اس سے بھی آگے فرشتوں کی دُعا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْہُ، کیسی عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَہُ اَللّٰهُمَّ رَبِّ عَلَیْہِ کا اضافہ بھی ہے (یعنی اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرمائے، اس کی توبہ قبول فرمائے)۔ نیز اسی روایت کے آخر میں ایک اضافہ یہ بھی ہے ”مَا کُمْ تُؤْذِنُہُ مَا کُمْ تُجِدُّہُ“ یعنی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے والے اس بندے کے حق میں فرشتے یہ دعائیں اس وقت تک برابر کہتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے ایذا نہ پہنچائے یا اس کا وضو ٹوٹ نہ جائے۔

(۵۵) عَنْ عُمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَنَا فِي التَّوَسُّبِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ تَوَسُّبَ أُمَّتِي الْجُلُومِ فِي الْمَسَاجِدِ أَمْتٌ عَلَى الصَّلَاةِ۔

رواہ فی شرح السنۃ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کی رہبانیت

نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹنا ہے۔ (شرح السنن)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ میں دنیوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انہوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضور سے عرض کیں، ان میں کی آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے جس کے بعد ہم تارک الدنیا رہیں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اخروی منافع کے لیے پہلی اُمتوں میں رہبانیت تھی میری اُمت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور میں بھی میری اُمت کی رہبانیت اور مدد دہی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹنا بھی ایک طرح کا "احکامات" ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

(۵۶) عَنْ بُرَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ بَشِّرِ الشَّائِئِينَ فِي الظُّلُمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ الْمُنِيرِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ _____ رواه الترمذی و ابوداؤد

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے جو بندے اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں، ان کو بشارت ملے گا کہ ان کے اس عمل کے صلہ میں، قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کا دل عطا ہوگا۔ (جامع ترمذی۔ سنن ابی داؤد)

(تشریح) رات کی اندھیروں میں نماز کے لیے پابندی سے مسجد جانا بلاشبہ بڑا عبادہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی دلیل ہے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بہارت سنوائی ہے کہ اُن کے اس عمل کے صلہ میں قیامت کی ائمہ ہوں
میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا فرمایا جائے گا۔ فَبَشِّرْهُم بِأَنَّهُمْ يُخْرِجُونَ

مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا:-

(۵۷) عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ
وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

رواہ مسلم

ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے
دعا کرے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت
کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے اَللّٰهُمَّ
اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں)
تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرمائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر، انخروی اور دینی و روحانی انعامات
کے لیے اور فضل کا لفظ لذت و غیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و دہش اور اُن میں زیادتی کیلئے
استعمال کیا گیا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے داخلہ کے لیے فتح باب
رحمت کی دعا تعلیم فرمائی، کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور انخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے
کی جگہ ہے۔ اور مسجد سے نکلنے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی
لے نکلنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے ہی مناسب ہے۔ ان
دونوں باتوں کا خاص منشا یہ ہے کہ مسجد میں آنے اور جانے کے وقت بندہ غافل نہ ہو

اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سامگانہ ہو۔

تحیۃ المسجد:-

(۵۸) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُسَ۔

رداء البخاری و مسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو خانۂ خدا کہا جاتا ہے، اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہِ خداوندی کی سلامی ہے، اسی لیے اس کو "تحیۃ المسجد" کہتے ہیں (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں) لیکن یہ حکم مہمومہ کے نزدیک استجابی ہے۔ (فت) اس حدیث میں صراحتہً حکم ہے کہ تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں مسجد میں بیٹھنے سے پہلے پڑھنی چاہئیں، بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر پہلے قصد بیٹھتے ہیں اسکے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ غلطی کہاں سے رواج پا گئی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چار صدی پہلے ان کے زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی یہ غلطی رواج تھی۔

(۵۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَهْدِمُ مَنْ سَقَرِ إِلَّا نَهَا رَأْفِي الصُّلَى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ۔

رداء البخاری و مسلم

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ سفر سے واپسی میں آپ دن ہی میں چاشت کے وقت مدینہ میں تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد وہیں رکچہ دیر تک تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) دوسری بعض حدیثوں میں یہ تفصیل آتی ہے کہ آپ سفر سے واپسی میں آخری منزل عموماً مدینہ طیبہ کے قریب ہی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ آپ فلاں مقام پر ٹھہر گئے ہیں اور کل صبح تشریف لانے والے ہیں، پھر علی الصبح آپ اس منزل سے روانہ ہو کر کچھ دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے تھے اور سب سے پہلے سیدھے اپنی مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے، گریبا گھر والوں کی ملاقات سے بھی پہلے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اس کے حضور میں چہرہ عبودیت پیش کرتے تھے، پھر اس کے بعد بھی کچھ دیر تک مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے اور شا قان زیارت و میرا اگر آپ کے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ یہ تھا مسجد کے تعلق کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ، اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی روح کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی :-

(۶۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ إِنَّمَا لِعِمْرَةٍ أَيْدٍ اللَّهُ مِنْ أَمِنْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ——— رواه الترمذی وابن ماجہ والدارمی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

دلہا نے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے غفلت رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو۔ کہہ دو اللہ تعالیٰ فرماتا ہو کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے اس کے ساتھ مخلصانہ غفلت اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے غور اور آباد رہے، یہ سب سچے ایمان کی نشانی اور دلیل ہے۔

مسجدوں میں صفائی اور خوشبو کا حکم :-

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْتَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ أَنْ يُنْظَفَ وَيُطَيَّبَ

رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفائی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو محلے اور آبادیاں دور دور ہوں (جیسا کہ مدینہ کے قریب جواریہ کی بستیوں کا حال تھا) تو ضرورت کے مطابق وہاں مسجدیں بنائی جائیں اور ہر قسم کے کوڑے کرکٹ سے ان کی صفائی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے، مسجدوں کی بنیاد عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

مسجد بنانے کا اجر:-

(۶۲) عَنْ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً ترین حکمت ہے۔

مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ پسند نہیں:-

(۶۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمَرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُرْجَرُ قَهْمًا لَمَّا زُخِرَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى

رواہ ابو داؤد

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور

لے ہمارے نزدیک حدیث کے لفظ "بیتاً" کی ترین تفسیر کے افادہ کے لیے ہے، اسی بنا پر ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "شاندار محل" کیا ہے۔ و لہذا علیہ

کوئی کنبہ اور کوئی گرجا پیش نہیں کیا جاسکتا۔

(۶۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَّبِاهِيَ النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ .

_____ رواه ابو داؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے بارہ میں لوگ
ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر و مباہات کرنے لگیں گے (یعنی اپنا تفوق اور
اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قیامت کی نشانیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو اس کے بالکل قریب ظاہر
ہوں گی جیسے خروج و جال اور آفتاب کا مغرب کی سمت سے طلوع ہونا وغیرہ وغیرہ اور
بعض وہ ہیں جو قیامت سے پہلے کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے امت میں پیدا ہونے والی جن خرابیوں اور جن فتنوں کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا
ہے وہ اکثر اسی قسم کی ہیں۔ اور مسجدوں کے بارہ میں فخر و مباہات بھی انہیں میں سے ہے اور
مسلمان اب سے بہت پہلے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

بدیودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت :-

(۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَلَا يَغْرِثُ مَسْجِدًا فَكَانَ
أَمْلًا لِمَا تَأْتِي قِيَامَتَا ذِي مِنْهُ إِلَّا نَسْ . _____ رواه البخاری و مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جو شخص اس بدبودار درخت (پیاز یا لسن) سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے
کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے زشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مسجدوں کی دینی عظمت اور حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی خاص نسبت کا ایک
حق یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی بدبو سے ان کی حفاظت کی جائے، چونکہ لسن اور پیاز میں بھی ایک
طرح کی بدبو ہوتی ہے (اور بعض مخصوص علاقوں میں پیدا ہونے والی ان دونوں چیزوں کی بو بہت
ہی تیز اور سخت ناگوار ہوتی ہے) اور حضور کے زمانے میں لوگ ان کو کچا بھی کھاتے تھے
اس لیے آپ نے حکم دیا کہ ان کو کھا کر کوئی آدمی مسجد میں نہ آئے اور اس کی وجہ بیان کرتے
ہوئے آپ نے فرمایا کہ جس چیز سے سلیم الطبع آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے اللہ کے
فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے اور مسجدوں میں چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت بڑی کثرت سے
ہوتی ہے اور خاص کر نماز میں وہ نبی آدم کے ساتھ بڑی تعداد میں شریک رہتے ہیں اس لیے
ضروری ہے کہ بدبو جیسی کسی بھی چیز سے ان مقدس اور محترم مہمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ پیاز اور لسن دونوں کا نام لے کر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو کھا کر کوئی ہماری مسجد میں نہ آیا کرے۔۔۔ اس حدیث
میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو یہ چیزیں کھانی ہی ہوں تو وہ پکا کر ان کی بدبو زائل کر لیا کرے۔

ان حدیثوں میں اگرچہ صرف پیاز اور لسن کا ذکر آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہر بدبودار چیز
بلکہ ہر اس چیز کا جس سے سلیم الفطرت انسانوں کو اذیت پہنچے یہی حکم ہے۔

مسجدوں میں شجر بازمی اور خرید و فروخت کی ممانعت :-

(۶۶) عَنْ عُمَيْرِ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِّہٖ قَالَتْ سَمِعْتُ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاسُّدِ الْأَشْعَارِ فِي
الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْإِشْتِرَاءِ فِيهِ فَإِنْ تَتَخَلَّقَ النَّاسُ يُؤْتَمُّ
الْجُمُعَةُ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ۔۔۔۔۔ رواه أبو داود ورواه الترمذی

عمر بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے
ہیں اپنے دادا عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مسجدوں میں شربازی کرنے سے اور خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا اھل اس
بھی منع فرمایا کہ جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے لوگ اپنے حلقے بنانا نہ کریں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) مسجدوں کی دینی عظمت کا یہ بھی حق ہے کہ جو مشغلہ اللہ کی عبادت سے اور
دن سے قریبی تعلق نہ رکھتے ہوں وہ اگرچہ فی انفسہ جائز ہوں (خواہ کامد باری ہوں جیسے تجارت
سوداگری یا تفریحی ہوں جیسے شاعرے اور ادبی مجلسیں) مسجدیں ان کے لیے استعمال نہ کی
جائیں۔ مسجد میں شربازی اور خرید و فروخت کی ممانعت کی بنیاد یہی ہے حدیث کا آخری جز جو جمعہ
کے دن سے متعلق ہے اس کا منشاء اور مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ کے دن نماز کے
لیے پہلے سے مسجد پہنچ جائیں (جس کی خود حدیثوں میں ترغیب دی گئی ہے) ان کو چاہیے
کہ وہ نماز تک بیکسوئی کے ساتھ ذکر و عبادت اور دعا جیسے اشغال میں مشغول رہیں اپنے
اگ الگ حلقے اور مجلسیں قائم نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

پھولے پھول سے اور شور و شغب وغیرہ مسجدوں کی حفاظت :-

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ جَبُّوْا أَسَاجِدَكُمْ صَبِّا نَكُمْ وَحَاجِنِيْكُمْ وَشَرَاءَكُمْ
وَبَيْعَكُمْ وَخُصُومَاتِكُمْ وَرَفِيعَ أَصْوَاتِكُمْ وَأَقَامَةَ حَدِّكُمْ

وَسَلَّى شَيْئُكُمْ

رواہ ابن ماجہ

دفعہ بن الاثع یعنی اللہ عزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی مسجدوں سے دور اور مالگ رکھو اپنے چھوٹے بچوں کو اور دیوانوں کو لان کو مسجدوں میں نہ آنے دو اور اسی طرح مسجدوں سے الگ اور دور رکھو اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے باہری بھگڑوں ٹنڈوں کو اور اپنے شور و غضب کو اور حدوں کے قائم کرنے کو اور تلواروں کو نیا سوں سے نکالنے کو (یعنی ان میں سے کوئی بات بھی مسجدوں کے حدود میں نہ ہو) یہ سب باتیں مسجد کے تقدس اور احسان کے خلاف ہیں (سنن ابن ماجہ)

مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے :-

(۶۸) عَنِ الْحَسَنِ مَرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرٍ دُنْيَاهُمْ فَلَا تَجَالِسُوهُمْ فَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ

رواہ ابیہقی فی شعب الایمان

حضرت حسن ابصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ آیا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی، تمہیں چاہیے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مسجد چونکہ خانہ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ان مسلمانوں کے اجتماعی اور بلی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو مسجدوں

میں مشورے کیے جاسکتے ہیں اور اس سلسلہ کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ ضروری ہوگا، نیز یہ بھی شرط ہوگی کہ یہ جو کچھ ہواشر کی ہڈی کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

(ف) اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو یہ حدیث کسی صحابی کے واسطے پہنچی ہوگی، لیکن انھوں نے ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ اسی حدیث کو جسے کوئی تابعی صحابی کا حوالہ دینے بغیر روایت کرے محدثین کی اصطلاح میں "مرسل" کہا جاتا ہے یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے۔

مسجد میں نماز کے لیے عورتوں کا آنا:-

(۶۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا أَسْتَاذْتَكُمْ نِسَاءُكُمْ يَا لَلْمَلِئِ فَأَذْنُو لَهُنَّ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری بیویاں رات کو مسجد جائے کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت نہ دیا کر۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْعَبُوا نِسَاءَكُمْ الْمَسَاجِدَ وَيُؤْذَنُ لَهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔

رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، اور ان کے لیے بہتر ان کے گھر ہی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جبکہ مسجد نبویؐ میں پانچوں وقت کی نماز ہمیں نفسِ آپؐ خود پڑھاتے تھے تو آپؐ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کی جاوے کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، بہت سی نیک بخت عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم رات کی نمازوں میں یعنی عشاء اور فجر میں مسجد میں جا کر حضور کے پیچھے نماز پڑھا کریں، لیکن بعض لوگ اپنی بیویوں کو اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور ان کا یہ اجازت نہ دینا کسی قسم کے اندیشہ سے یا کسی بے گمانی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اس وقت کا پورا اسلامی معاشرہ اس لحاظ سے ہر طرح قابلِ طینان تھا، بلکہ ایک غیر شرعی قسم کی غیرت اس کی بنیاد تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتیں اگر رات کی نمازوں میں مسجد آنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دینا چاہیے لیکن خود عورتوں کو آپؐ برابر ہی سمجھاتے رہے کہ بیویو تمھارے لیے زیادہ بہتر اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

(۱) عَنْ أُمِّ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّةِ أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَحِبُّ الصَّلَاةَ مَعِيَ وَصَلَاتِكَ فِي بَيْتِكَ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكَ فِي مَجْرَعِكَ وَصَلَاتِكَ فِي مَجْرَعِكَ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكَ فِي حَارِكِ وَصَلَاتِكَ فِي حَارِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكَ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكَ وَصَلَاتِكَ فِي مَسْجِدِ قَوْمِكَ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِكَ فِي مَسْجِدِي

رواہ احمد (کنز العمال)

مشہور صحابی ابو حمید ساعدیؓ کی بیوی اُمّ حمیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ

میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جامعت سے مسجد میں) نماز ادا کیا کروں آپ نے
اشارہ فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (یعنی میرے پیچھے) جامعہ کے ساتھ نماز
پڑھنے کی بڑی چاہت ہو اور مسئلہ شریعت کا یہ ہو کہ تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر
کے اندر دینی جگہ میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل اور بہتر ہے جو تم اپنے بیرونی
دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے
گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم
اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو تمہارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ والی
مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں اگر نماز پڑھو۔
(کنز العمال بحوالہ سند احمد)

(تشریح) اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز
کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی وضاحت بار بار اور مختلف موقعوں پر فرمائی ہے لیکن
اسکے باوجود بہت سی صحابیات کا دلی جذبہ ہی ہوتا تھا کہ چاہے ہمارے لیے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا
افضل اور زیادہ ٹھیک یا ہو لیکن ہم کم از کم رات کی نماز میں مسجد میں حاضر ہو کر حضور کے پیچھے ہی پڑھ
لیا کریں۔ اور چونکہ اس جذبہ کی بنیاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ انہی سچی ایمانی صحبت تھی اور
اس زمانہ میں کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ حدیثیں گراں
کو مسجد میں جانے کی اجازت چاہیں تو انکو اجازت دیدیا کرو۔ بہر حال یہ اجازت دینے کا حکم اس وقت کا ہو جبکہ عورتوں
کے مسجد جانے میں کسی برائی کا خطرہ نہ ہو کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا اور بعض صحابہ کرام صرف حرمِ غیرت یا اپنی
خاص افتاد طبع کی وجہ سے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع کرتے تھے۔ لیکن جب عورتوں کو
مردوں دونوں کے حالات میں تبدیلی آگئی اور فتنوں کے اندیشے پیدا ہو گئے تو خود حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا نے (جن سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کے ظاہری و باطنی حال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے مزاج و فضا سے واقف نہیں ہو سکتا) وہ فرمایا جو آگے درج ہونے والی حدیث میں

آپ پر ہیں گے (۱)

(۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا دُرِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخَذَتْكَ الْبِئْسَاءُ بَلَّغْتَهُنَّ الْمَسَاجِدَ لَمَّا مَنَعَتْ نِسَاءَ مُحَمَّدٍ (وَسُرَّائِلَ).

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اپنے (طرز زندگی میں) آپ پیدا کر لی ہیں تو آپ خود ان کو مسجدوں میں جہانے سے منع فرمائیے، جس طرح کہ ان کی قسم کی باتوں کی وجہ سے بنی اسرائیل کی عورتوں کو (ان کی عبادت گاہوں میں) جہانے سے لگے پیغمبروں کے زمانہ میں) روک دیا گیا تھا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ بات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور کے وصال کے بعد اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اور قبول حضرت شاہ ولی اللہ سی بنابر جمہور صحابہ کی یہ رائے ہو گئی تھی کہ اب عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانا چاہیے، بعد کے زمانوں میں ان تبدیلیوں میں جو آمد و رفتی ہوئی اور سب سے معاشرے کی خرابیوں میں جو بے حساب اضافہ ہوا اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

(۱) ان حدیثوں کی تشریح میں اور اس مسئلہ پر بیان ہم نے جو کم لکھا جو وہ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دو سطروں کی توضیح و تفصیل ہے حجۃ اللہ البالغہ میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ولا اختلاف بین قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا تمنعها، وبين ما حکم جمہور الصحابة من منعهن اذا المنى الغيرة التي تنبعث من الافة دون خوف الغنة والحائز ما فيه خوف الغنة وذلك قوله صلی اللہ علیہ وسلم الغيرة غيرتان وحديث عائشة ان النساء احدثن

الحديث _____ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۶

جس کا بدل سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

نیز نماز باجماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و عبادتِ صائمہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف احوال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے جس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے (نماز جیسی عبادت میں ملکہ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

پھر اس سب کے علاوہ اس نظام جماعت کے ذریعہ اُمت میں جو اجتماعیت پیدا کی جاسکتی ہے اور محلہ کی مسجد کے روزانہ پنج وقتی اجتماع اور پوری اُمت کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اُٹھائے جاسکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کیلئے بہت آسان ہے۔

بہر حال نظام جماعت کے انہی برکات اور اس کے اسی قسم کے مصالح اور منافع کی وجہ سے اُمت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ نماز جماعت ہی سے ادا کرے۔ اور جب تک اُمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات پر اس طرح عمل ہوتا تھا جیسا کہ ان کا حق ہے اُس وقت سوائے منافقوں یا معذوروں کے ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اس میں کوتاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس تہید کے بعد جماعت کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیے!۔

جماعت کی اہمیت:

(۷۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَخْلِفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عَلِمَ نِفَاقَهُ أَوْ مُرِيضٌ

إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيْسَ بِشَيْءٍ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ
وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ
الْهُدَى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةُ فِي الْمَجْنُونِ الَّذِي
يُؤَدِّنُ فِيهِ ——— وَفِي رِوَايَةٍ ——— إِنَّ اللَّهَ
شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدَى وَلا تَهْدِرُوا رَأْيَ الصَّلَاةِ
حَيْثُ يُأَدَى بِهِتٍ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى وَلَوْ أَتَاكُمْ
صَلَاتُكُمْ فِي مَيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا لَمْ تَخْلِفْ فِي بَيْتِهِ
لَذِكْنُ سُنَّةٍ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ
لَضَلَلْتُمْ

رواہ سلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ
ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک
نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی
بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا۔ یا کوئی بیچارہ مریض ہوتا تھا
(جو بیماری کی مجبوری سے سجدہ تک نہیں آسکتا تھا) اور بعضے مریض بھی دو آدمیوں کے
سہا لے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ ——— اس کے بعد
حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ”سُنَنِ ہُدٰی“
کی تعلیم دی ہے (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت
و سعادت وابستہ ہے) اور انہی ”سُنَنِ ہُدٰی“ میں سے ایسی مسجد میں جہاں اذان بجاتی ہو
جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے۔ ——— اور ایک دوسری روایت میں حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ۔

”اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبی کے لئے ”سُنُّنِ ہَدٰی“ مقرر فرمائی ہیں (یعنی ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقامِ قُرب و رُحمت تک پہنچانے والے ہیں) اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا انہی ”سُنُّنِ ہَدٰی“ میں سے ہے، اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ یہ ایک آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (یہ اُس زمانہ کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دو گے، اور جب تم اپنے پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقیناً جانو کہ تم راہِ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غاریں جا کر دو گے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ ”سُنُّنِ ہَدٰی“ میں سے ہے، یعنی آپ کی اُن اہم دینی تعلیمات میں سے ہے جن سے اُمت کی ہدایت وابستہ ہے۔ اُس کے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کی پابندی ترک کر کے اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھنے لگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لینا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس اُمت کے اُس اولیٰ و دُرّ میں جو نشالی اور معیاری دور تھا، منافقوں اور مجبور غریبوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا، اور اللہ کے بعض صاحبِ عزیمت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دو مِٹْرُن کے سہارے آکر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت اُن کے اور عام صحابہؓ کے نزدیک دینی واجبات کی سی ہے پس جن حضرات نے اس روایت کے لفظ ”سُنُّنِ ہَدٰی“ سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق بس ”سُنَّت“ کا ہے، غالباً انھوں نے غور کرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس پورے

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف و صریح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: —————

لَيَنْتَهَبِينَ رِجَالٌ عَنْ تَرَاوُعِ
الْجَمَاعَةِ اَوْ لَوْ خَرَقَتْ ثِيَابُهُمْ
لوگوں کو چاہیے کہ وہ جماعت ترک کرنے
سے باز آئیں، نہیں تو میں اُن کے گھر وں
میں آگ لگا دوں گا۔

یہ تا کہین جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا، خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کنیوالے) بہر حال اس وعید اور ہمکی کا تعلق اُن کے عمل "ترک جماعت" سے ہے۔ اسی بنا پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے یعنی اُن کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اُسی طرح اُس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے "جماعت" سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے۔ اور مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور ہمکی ہے۔ واللہ اعلم

(۷۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُتَنَادِيَ فَلَكَ يَمْنَعُهُ مِنْ إِيْتَابِعِهِ عَذْرًا قَالُوا وَمَا الْعَذْرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى

رواہ ابو داؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص نماز باجماعت کے لئے مؤذن کی پکار سنے اور اُس کی تابعداری کرنے سے (یعنی جماعت میں شریک ہونے سے) کوئی واقعی عذر اُس کے لئے مانع نہ ہو اور اُس کے باوجود وہ جماعت میں نہ آئے بلکہ الگ ہی اپنی نماز پڑھ لے تو اُس کی وہ نماز اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ ————— بعض صحابہ نے عرض کیا کہ: حضرت واقعی عذر کیا ہو سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جان و مال کا خوف یا مرض۔ (سنن ابی داؤد و سنن دارقطنی)

(تشریح) اس حدیث میں بھی تارکینِ جماعت کے لئے سخت وعید اور تہدید ہے بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جماعت وضو وغیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے، اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ادا ہوتی ہے، اور اس کا ثواب بہت کم ہوتا ہے، اور رضا و آہی جو خاص ان خاص مقصد اور شرہ ہے اُس سے محرومی رہتی ہے، جمہور کے نزدیک قبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری اُن حدیثوں سے جن میں نماز باجماعت اور غائب جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ اہم بہ تحقیق ہے کہ بغیر عذر کے ترکِ جماعت بہت بڑی محرومی اور بد بختی ہے۔

(۷۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ وَلَا نَهَارٍ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدْ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَنَاسُوا نَجْوَاهُ فَاتَّخَذُوا كُلَّ بَدْنٍ قَنَاصَةً۔

رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیسی ہستی میں یا باؤلیہ میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں نہ اُن پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، لہذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے پر لازم کر لو، کیونکہ بیٹھ پڑاؤشی بیٹھ کر اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے الگ دُور رہتی ہے۔

(منذ احمد بنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی نماز پڑھنے والے ہوں تو ان کو عبادت ہی سے نماز پڑھنا چاہئے، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شرکار کر سکے گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت اور برکت: —————

(٤٤) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً ————— رواه البخاري ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں سائیس سو زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے اور اس کی بنا پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے، اور اس کا صحیح تفصیل علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عمل کے متعلق

یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بنا پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر کیا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۷۰ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہل ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس بے دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کا عدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کمی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارہ اور بڑی محرومی ہے۔

(۷۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ صَلَّى لِيَّ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ

الأولى كُتِبَ لَهَا بَرَاءَةٌ نَابِ بَرَاءَةٌ مِنْ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ

مِنَ التَّفَاقِ - رِوَاةُ التِّرْمِذِيِّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو شخص بجائیش دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیروں ہی بھی

فوت نہ ہو تو اس کے لئے ڈوہراتیں لکھ دی جاتی ہیں ایک آفتش دوزخ سے برات اول

دوسری اتفاق سے برائے _____ (جامع ترمذی)

نشریح مطلب یہ ہے کہ کامل ایک چلہ ایسی پابندی اور اہتمام سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول و محبوب عمل ہے اور بندہ کے ایمان و اخلاص کی ایسی نشانی ہے کہ اُس کے لئے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اُس کا دل نفاق سے پاک ہے اور یہ ایسا جلتی ہے کہ دوزخ کی آغ سے بھی وہ کبھی آشنا نہ ہوگا۔ اللہ کے بندے

صدق دل سے ارادہ اور بہت کریں تو اللہ تعالیٰ سے توفیق کی امید ہے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عملِ خیر کی چالیس دن تک پابندی خاص ناسر رکھتی ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب : —————

(۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وَضُوءَهُ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ لِنَاسٍ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللَّهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا، لَا يَنْقُصُ ذَٰلِكَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا۔

رداء ابو داؤد و السنن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا، پھر وہ (جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف) گیا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی، تو اللہ تعالیٰ اُس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جنہوں نے جماعت سے نماز ادا کی، اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو جماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لئے پورا حتمام کرتا ہے اُس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اچھی طرح وضو کر کے جماعت کی نیت سے مسجد جائے اور وہاں جا کر اُسے معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے، تو

اللہ تعالیٰ اُس کی نیت اور اُس کے اہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کی کسی دانستہ کوتاہی یا غفلت ولا پر وہی کی وجہ سے اُس کی جماعت فوت نہیں ہوتی ہے، بلکہ وقت کے اندازہ کی غلطی یا کسی ایسی ہی وجہ سے وہ بے چارہ جماعت سے رہ گیا ہے جس میں اس کا قصور نہیں ہے۔

رکن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں:—

(۸۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ اَدَّكَ بِالصَّلٰوةِ فِي لَيْلَةِ ذَاتِ بُرْجٍ وَرُبَّمَا قَالَا اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّجَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ كَانَ یَاْمُرُ الْمَوْدِنَ اِذَا کَانَ لَیْلًا ذَاتُ بُرْجٍ وَمَطَرٍ یَقُوْلُ لَا صَلُّوْا فِي رِجَالٍ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت جبہ اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک رات میں جب بہت سردی اور تیز ہوا والی رات تھی، آذان دی، پھر خود ہی اذان کے بعد پکار کے فرمایا۔
لوگو! اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھ لو۔ پھر آپ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وقت تھا کہ جب سردی اور بارش والی رات ہوتی تو آپ بوڈن کو حکم فرماتے کہ وہ یہ بھی اعلان کرے کہ آپ لوگ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں سردی اور ہوا کا جو ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسی طرح بارش اگر اتنی ہو کہ مسجد تک جانے میں بھیگ جانے کا اندیشہ ہو، یا راستہ میں پانی یا گچھڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے، یعنی اجازت ہے کہ نماز گھر ہی پر پڑھ لی جائے، ایسی سب صورتوں میں جماعتیں

حاضری ضروری نہیں رہتی۔

۸۱ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعْتَ عَشَاءَ أَحَدِكُمْ فَأَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ فَابْدَأْ بِالْعَشَاءِ وَلَا يُجِبَنَّ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھائے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) شارحین نے لکھا ہے اور ائمہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اسلئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں بھاگتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مسجد میں) قریب ہونے کی وجہ سے امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شریعت و سنت کے

بیحد پابند بلکہ عاشق تھے، اُن کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مُتدرجہ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

(۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا صَلَوةَ بِخَضِرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ مَذْذِيوَةٌ إِلَّا خَبَبَاتٍ ————— رواه مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ: نماز کا حکم نہیں ہے کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے اور نہ ایسی حالت میں جبکہ آدمی کو پائخانہ یا پیشاب کا تقاضا ہو۔

(صحیح مسلم)

(۸۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَقْبَمْتِ الصَّلَوةَ وَوَجَدَ أَحَدُكُمْ كُرَّ الْخَلَاءِ فَلْيَبْدَأْ بِالتَّخَلُّاءِ۔

————— رواه الترمذی وروى مالك والبيهقي وادود النسائي في

حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو پیشاب کا تقاضا ہو تو اس کو پہلے اپنے کپڑے پہنے، پھر استنجے سے فالج ہو۔

(جامع ترمذی) ————— نیز یہی حدیث موطا امام مالک

سنن ابی داؤد سنن نسائی میں الفاظ کے معمولی فرق کیساتھ مروی ہے)

(تشریح) ان حدیثوں میں طوفانی، بجوا یا بارش یا سخت سردی کے اوقات میں یا کھانے پینے اور پیشاب پائخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی وجوہات دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی تحقیقی مشکلوں کو

مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے: —————

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ
مِنْ حَرَجٍ - (الحج - ۱۰۷)

اللہ نے دین میں تمہارے لئے تنگی اور
مشکل نہیں رکھی ہے۔

جماعت میں صفت بندی: —————

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ:۔۔ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک اینچ نہ آگے ہوا اور نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اسکے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں، اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔۔۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

ان تہیدی سطروں کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھیے!۔

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید: —————

(۸۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ أَقَامَةِ الصَّلَاةِ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کا سیدھا اور برابر کرنا نماز

اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ”اقامتِ صلوٰۃ“ جس کا قرآن مجید میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے دائیں جانب رخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ: برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ اس حدیث سے اور اسکے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

(۸۵) عَنِ الثَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِلَاعَ

حَتَّى رَأَى أَنَا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمَافَقَامَ حَتَّى كَادَ أَنْ يَكْتَدِرَ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّغَرِ

فَقَالَ عِبَادَ اللَّهِ لَتُسَوِّيَنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيَمُوتَنَّ الْفَقْرَاءُ اللَّهُ يَنْزِلُ

وَجُوهَكُمْ

رواہ مسلم

حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کرتے تھے کہ کیا کہ ان کے ذریعہ پتھروں کو ستر کر دیں
 یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کرنا ہونا چاہیے)
 اسکے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر
 کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ خبریہ کہہ کے نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی
 نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صاف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ :—
 اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رُخ
 ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے الفاظ :—

حَتَّى تَكُونُوا كَالْأَيْدِي بِهَا الْقَدَامُ گویا کہ آپ صفوں کے ذریعہ تیرے کر سکتے
 کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو
 تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اسلئے کسی چیز کی
 برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں بمانے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اعتدال
 سیدھی ہے کہ اسکے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جاسکتا ہے یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں
 معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ
 کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے
 کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو، یہاں تک کہ طویل ہاتھ
 کی اس سلسل کی کوشش اور تربیت کے بعد آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات آسگئی، لیکن اسکے بعد
 جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں
 فرمایا کہ :— اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم
 بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رُخ ایک دوسرے سے مختلف
 کر دے گا، یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں ٹوٹ پڑ جائے گی

جو امتوں اور قوموں کے لئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وجہ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلاشبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے۔ افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔

۸۶۱ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَسَّحُ مَنَّا كِبَنًا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ لِيَلِينِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ ظَلَمْتُ هِيَ شَمُّ الَّذِينَ يَكُونُ تَهْمُهُمُ الَّذِينَ يَكُونُ تَهْمُهُمْ

رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں (یعنی نماز کے لئے جماعت کھڑے ہونے کے وقت) ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے موڑھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر ہو جاؤ اور مختلف (یعنی آگے پیچھے) نہ ہو کہ خدا نکر وہ اس کی سزا میں تمہارے قلوب باہم مختلف ہو جائیں (اور فرماتے تھے کہ) غم سے جو دامن امتداد سمجھ دار ہیں وہ میرے قریب ہوں، اُن کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نیر اس صفت میں ان کے قریب ہو، اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہے۔

(بیچ مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں صفوں کی برابری کے علاوہ صفت بندی ہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری ہدایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و دانش میں امتیاز عطا فرمایا ہے، اُن کے بعد اس لحاظ سے دوم درجہ والے اور اُن کے بعد سوم درجہ والے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے اور تعلیم و تربیت کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اچھی اور ممتاز صلاحیتوں والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب رہیں۔

(۸۷) عَنْ الثَّعْمَانِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا إِذَا قُمْنَا إِلَى الصَّلَاةِ فَإِذَا امْتَوَيْنَا كَبَّرَ ————— رواه أبو داود

حضرت ثعمان بن کثیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب ہم کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ہماری صفوں کو برابر فرماتے اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں تو آپ تکبیر کرتے یعنی نماز شروع فرماتے ————— (سنن ابی داؤد)

پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں: —————

(۸۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْتُمُوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِينَ يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَفْسٍ فَلَيْسَتْ فِي الصَّفِّ الْمَوْجُوهِ ————— رواه أبو داود

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو پہلے اگلی صف پوری کیا کرو پھر اس کے قریب والی تاکہ جو کسی کسر رہے وہ آخری ہی صف میں رہے ————— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے پیچھے کھڑے نہ ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور جو کسی کسر رہے گی وہ سب سے آخری ہی صف میں رہے گی!

صفِ اوّل کی فضیلت: —————

(۸۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّهْبِ الْأَوَّلِ
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ
يُصَلُّونَ عَلَى الصَّهْبِ الْأَوَّلِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي
قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّهْبِ الْأَوَّلِ قَالُوا
يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ وَعَلَى الثَّانِي

رداۃ احمد

حضرت ابولہامہ بنی النضر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔
بعض صحابہ نے عرض کیا کہ :- یا رسول اللہ! اور دوسری کے لئے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ
اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر عرض کیا گیا۔
اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے پھر پہلی ہی بات دہرا دی یعنی فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ
رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ
یا رسول اللہ! اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے تیسری نیز بھی وہی پہلی بات دہرا دی
اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔
ان لوگوں نے پھر عرض کیا کہ :- یا رسول اللہ! اور دوسری صف کے لئے بھی؟ تو اس پر پوچھی
دفعہ میں آپ نے فرمایا۔ اور دوسری صف والوں کے لئے بھی۔

(مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعا و رحمت کے
خصوصی سختی اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں
لیکن بہت پیچھے ہیں مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں بظاہر اور ہر جہاں نگاہوں میں
فاصلہ تو بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے اس لئے

اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہیے کہ وہ حتیٰ الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کا ذکر بعد میں ہو سکتا ہے کہ مسجد میں اوّل وقت پہنچ جائے۔۔۔۔۔ صحیحین کی ایک تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔۔۔

”اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر و ثواب ہے اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔“

اللہ تعالیٰ الٰہ تحقیقوں کا یقین نصیب فرمائے۔ آمین

صفوں کی ترتیب:۔۔۔۔۔

(۹۰) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّتِ الرِّجَالُ وَصَفَّتْ خَلْفَهُمُ الْعِلْمَانُ ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا كَرَّصَلَاةً ثُمَّ قَالَ هَكَذَا صَلَاةُ أُمِّتِي۔

رواہ ابوداؤد

حضرت ابوالکاشعری سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں سے کہا میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ آپ نے نماز قائم فرمائی، پہلے آپ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی، پھر آپ نے ان کو نماز پڑھائی، اسکے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری امت کی نماز کا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اور منوں طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں۔۔۔۔۔ اور آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے

معلوم ہو گا کہ اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہیے: —————

(۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْإِمَامَ وَسُكَّ الْحُلَّكُ۔

رواہ ابو داؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ لوگو! امام کو اپنے وسط میں اور اپنی سطرچ صاف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں ہو۔ اور صفوں میں جو خلا ہو اس کو پُر کرو۔ (سنن ابی داؤد)

جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں: —————

(۹۲) عَنْ جَابِرٍ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجُمْتُ حَتَّى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِ يَمِينِيَا جَمِيعًا فَدَفَعَنَا حَتَّى أَقَامَنَا خَلْفَهُ۔

رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے (یعنی آپ نے نماز شروع فرمائی) اتنے میں میں گیا کہ (اد) (نیت کر کے) آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کے (اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا، پھر اتنے میں جب جبار بن صخر آگئے، وہ

نیت کر کے آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، تو آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیئے، اور اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہیئے کہ اس کو دائیں جانب کھڑا کر لے، اور جب کوئی دوسرا مقتدی آکر شریک ہو جائے تو امام کو آگے اور ان دونوں کو صنف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے۔

صنف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت :-

(۹۳) عَنْ دَابِصَةَ بْنِ مَعْبُدٍ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيَ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعَيِّنَ الصَّلَاةَ ————— رواه احمد والترمذي والبوداؤد

حضرت دابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صنف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، ابن ابی داؤد)

(تشریح) صنف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

(فائدہ) اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صنف بالکل بھر چکی ہو اور اسکے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صنف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کر لے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صنف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے،

اور اس صورت میں عند الشریعہ شخص معذور ہوگا۔

عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔

(۹۳) عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَبَيْتِي مَعِي كَيْتَنَا خَلَعْنَا لَتَبِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلَعْنَا

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں اور میرے ساتھ (میرے بھائی) تہیم نے بھی یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے (اور ہماری والدہ اُمّ سلیم ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔
(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اُسکے سگے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ اُن کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو۔
(صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ اُمّ سلیم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)۔

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے، لیکن عورتوں کا مردوں بلکہ کسب لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے اسلئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

لہ تہیم سے مراد حضرت انسؓ کے ایک بھائی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یلقب تھا۔ ۱۲

امامت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، دین کے تمام اعمال میں سبک اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے جو جسم انسانی میں قلب کا ہے، اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو جو وہ نمازیوں میں دوسروں کی نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور بوزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتاً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو، اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اسکے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اُس سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ بوزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں اتنا زکھتا ہوگا، اور

اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں، تو پھر جو کوئی اُن میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور
عاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لئے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور
اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی،
کیونکہ عمر کی بڑائی کا ہر بزرگ بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔

بہر حال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب قبلِ سلیم کے بالکل مطابق اور مقتضائے مسکت ہے اور
یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امامت کی ترتیب: —

(۹۵) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقَدَمِ أَقْرَأَهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ
فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمَهُمُ بِالشَّيْءِ فَإِنْ كَانُوا
فِي الشَّيْءِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ
سَوَاءً فَأَقْدَمَهُمْ سِنًا وَلَا يَوْمَنَّ الرَّجُلُ الرَّحَلَ فِي
مُلَظَايِهِ وَلَا يَقَعُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِيمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ—

رواہ مسلم

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سے زیادہ کتابِ شکر کا
پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت
و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس نے پہلے
ہجرت کی ہو، اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں (یعنی سب کا زمانہ ہجرت ایک ہی ہو)
تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سن کے لحاظ سے مقدم ہو، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے

حلقہٴ عیسادت و حکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اس کے بیٹھنے کی خاص جگہ پر

اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے لفظ **أَهْلُ الْبَيْتِ** لکھنا کتاب اللہ کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو یہاں کیا گیا ہے یعنی "کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا" لیکن اس کا مطلب نہ تو صرف حفظ قرآن ہے اور نہ مجرد کثرت تلاوت، بلکہ اس سے مراد ہے حفظ قرآن کے ساتھ اس کا خاص علم اور اس کے ساتھ خاص شغف۔ عبد بنوئی میں جو لوگ قُرْآن کھلاتے تھے اُن کا یہی اتیاز تھا۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ نماز کی امامت کے لئے زیادہ اہل اور بزرگ وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کے علم اور اس کی شغف و تعلق میں دوسروں پر فائق ہو، اور ظاہر ہے کہ عبد بنوئی میں یہی سب سے بڑا دینی اتیاز اور فضیلت کا معیار تھا، اور جس کا اس معاشرت میں جس قدر زیادہ حصہ تھا وہ اسی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وراثت و امانت کا حامل اور امین تھا۔ اس کے بعد سنت و شریعت کا علم فضیلت کا دوسرا معیار تھا (اور یہ دونوں علم یعنی قرآن اور علم سنت جس کے پاس بھی تھے، عمل کے ساتھ تھے علم بلا عمل کا وہاں وجود ہی نہیں تھا)۔

فضیلت کا تیسرا معیار عبد بنوئی کے اس خاص ماحول میں ہجرت میں سابقیت تھی، اس لئے اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن بعد میں یہ چیز باقی نہیں رہی، اس لئے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح و تقویٰ میں فضیلت و فوقیت کو ترجیح کا تیسرا معیار قرار دیا ہے جو بالکل بجا ہے۔

ترجیح کا چوتھا معیار اس حدیث میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تین معیاروں کے لحاظ سے کوئی فائق اور قابل ترجیح نہ ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرے۔

حدیث کے آخر میں دو ہدایتیں اور بھی دی گئی ہیں: — ایک یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امامت و عیسادت تک حلقہ میں جائے تو وہاں امامت نہ کرے بلکہ اس کے پیچھے

مقتدی بن کر نماز پڑھے (ہاں اگر وہ شخص خود ہی ہمارا کرے تو دوسری بات ہے)۔
 اور دوسری یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر جائے تو اس کی خاص جگہ پر بیٹھے،
 ہاں اگر وہ خود بٹھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان دونوں ہدایتوں کی حکمت و مصلحت بالکل
 ظاہر ہے۔

اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے؛

(۹۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْكَ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا أَيْمَنَكُمْ خِيارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَقَدْ كُمُ
 فَبِمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ

— رواہ الدارقطنی و البیہقی (کنز العمال)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا: تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو اپنا امام بناؤ، کیونکہ تمہارے زبیا و مالک
 کے حضور میں وہ تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔

(دارقطنی بہیقی)

(تشریح) یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی
 کرتا ہے، اسلئے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لئے اپنے میں سے
 بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس دنیا میں رونق افروز نہ ہوئے خود امامت فرماتے رہے
 اور من و فات میں جب معذور ہو گئے تو علم و عمل کے لحاظ سے اُمت کے افضل ترین فرد حضرت
 ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے نامزد اور مامور فرمایا۔

حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں حق امامت کی تفصیلی

ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اس کا منشا بھی دراصل یہی ہے کہ جماعت میں جو شخص سب سے بہتر اور افضل ہو اُس کو امام بنایا جائے اقرأہم لکتاب اللہ اور اعلیٰ ہم بالسنة۔۔۔۔۔ یہ سب اسی بہتری اور افضلیت فی الدین کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ بعد کے دور میں اس اہم ہدایت سے بہت تغافل برتا گیا اور اس کی وجہ اُمت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

امام کی ذمہ داری اور مسئولیت :-

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَمَرَ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللَّهَ وَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ ضَامِنٌ مَسْئُولٌ لِمَا ضَمِنَ وَلَنْ أَحْسَنَ كَانَ لَهُ مِنَ الْإِجْرِ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلَّى خَلْفَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقِصَ مِنْ أَجْوَرِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط (کنز العمال)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جو شخص جماعت کی امامت کرے اُس کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ (مقتدیوں کی نماز کا بھی) ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہو گا، اگر اُس نے اچھی نماز پڑھائی تو نیچے نماز پڑھنے والے مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اسکے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہو گا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہو گا۔

(معجم اوسط الطبرانی)

مقتدیوں کی رعایت :-

(۹۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيَخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السَّقِيمَ وَالصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّيْتَ أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيَطْوِلْ مَا شَاءَ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طویل نہ کرے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعثِ رحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی پڑے تو جتنی چاہئے لمبی پڑھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض صحابہ کرام جو اپنے قبیلہ یا حلقہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے جماعتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تنگے ہالے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپ کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہئے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے اس لئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع، سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لئے اس ہالے میں اصل معیار اور نمونہ ہے۔ اور اسی کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہیئے۔

انشاء اللہ وہ حدیثیں آگے اپنے موقع پر آئیں گی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تفصیلی کیفیت اور قرأت وغیرہ کی مقدار معلوم ہوگی۔

(۹۹) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللَّهِ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا تَأْخُذُ عَنِّي صَلَوةُ الْعَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ فَمَا يُطِيلُ بِنَا فَمَاذَا آيَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ شَمَّرَ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُتَغَيِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَبَلْتُ بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔

رواہ البخاری و مسلم

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ :- ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ :- یارسول اللہ! مجھ پر ایسا ظالم شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا (مجبوراً اپنی نماز الگ پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں (جو میرے بس کی نہیں)۔ حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس بائے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ کو غلط اور غلبہ کی حالت میں اس ن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا۔ پھر اس خطبے میں آپ نے فرمایا کہ :- تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو (اپنے غلط طرز عمل سے اللہ کے بندوں کو) دُور بھگانے والے ہیں؛ جو کوئی تم میں سے لوگوں کا امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ نماز مختصر پڑھائے (زیادہ طویل نہ پڑھائے) کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی اور حاجت والے بھی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ صحابی جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے حضرت

شاید اس بچے کی ماں جماعت میں شریک ہو اور اس کے رونے سے اس کا دل پریشان ہو رہا ہو، نیز نماز مختصر پڑھ کے جلد ہی ختم کر دیتا ہوں۔

(۱۰۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَلَا أَمَامَ قَطٍّ أَخَفَّ صَلَوةً وَلَا أَتَمَّ صَلَوةً مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَئِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بِكَاءِ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ خَفَافَةً أَنْ تُفْنَنَ أُمُّهُ

رواد البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں :- میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے ہلکی اور ساتھ ہی مکمل ہو (یعنی آپ کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور بالکل مکمل بھی) اور ایسا ہوتا تھا کہ نماز پڑھانے کی حالت میں کسی بچے کے رونے کی آواز آپ من لیتے تو نماز کو مختصر اور ہلکا کر دیتے اس خطرے کی وجہ سے کہ اس کی ماں بے چین ہو (اور اس بچہ کی نماز غراب ہو)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) امام کے لئے صحیح میاں اور رہنما اصول یہی ہے کہ اُس کی نماز ہلکی ٹھیک بھی ہو، اور ساتھ ہی مکمل اور تمام بھی یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو، جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر آئیں گی۔

مقتدیوں کو ہدایت :-

(۱۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا لِإِمَامٍ إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ وَلَا الصَّالِينَ فَقُولُوا آمِينَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

رواد البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگو! امام پر سبقت نہ کرو بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جوعہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، اور جب وہ ذلک الضالین کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، اور جب وہ یتبعہ اللہ لیمن سجدة کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزا میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہیئے کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہئے۔

مسند بزار میں حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے ایسا کراتا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کو ڈرنا چاہئے کہ مبادا اس کا سر گروے کا سا نہ کر دیا جائے۔ اعادنا اللہ من ذالک۔

(۱۰۳) عَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى أَحَدُكُمْ الصَّلَاةَ فَإِذَا مَامَ عَلَى حَالٍ فَلْيُصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ۔

رواہ الترمذی

حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال میں ہو (یعنی وہ قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو چاہئے کہ جو امام کر رہا ہو وہی کرے۔ (جامع ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ مُجْمُوعُونَ فَأَسْبِغُوا وَلَا تَعُدُّوهُ شَيْئًا وَمَنْ أَذْرَكَ رُكْعَةً فَقَدْ أَذْرَكَ الصَّلَاةَ -

رواہ ابو داؤد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اُس نے نماز (یعنی نماز کی وہ رکعت) پالی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً عطا فرمائیں گے، لیکن یہ سجدہ رکعت کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہوگا۔



نماز کس طرح پڑھی جائے؟

(۱۰۵) مَنْ أَمِنَ فِي هَذِهِ أُمَّةٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَائِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعْ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي النَّاسِ شَيْءٌ أَوْ فِي النَّبِيِّ نَعْدَهَا عَلَيْهِ نَبِيٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تيسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَأْسَكَ ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ فَأَبْهَأْ ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاحِدَاكَ ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَانِبَاكَ ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدَاكَ ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ خَلْفَكَ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا

رواه البخاری وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اُس نے نماز پڑھی اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ: پھر جا کر نماز پڑھو، تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اُس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ: تم جا کے پھر نماز پڑھو، تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ اُس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اسکے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ: حضرت! مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ (جیسی مجھے پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا)۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف اپنا رخ کرو، پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو، اسکے بعد (جب قرأت کا موقع آجائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ: سورۃ فاتحہ پڑھو اور اسکے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو، یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ، رکوع میں پھر رکوع سے اٹھو، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ سجدہ میں۔ پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ (اور ایک راوی نے اس آخری خطبہ جملہ کے بجائے کہا ہے (پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجدہ اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکین سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو)۔۔۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی زفا عہد بن افع کے بھائی خلد بن زافع تھے۔ اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی

میں آکر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شاہدین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انھوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجدہ وغیرہ جس طرح تعذیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے کرنا چاہیے نہیں کیا، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی“ اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلادیا کہ تم سے نماز میں غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہیے، بلکہ تیسری بار چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا؟۔ جانتے والے جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطہ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھر نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا پورا خوب ہوتا ہے۔

آپ نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں دو رکعتیں سجدہ میں کیا پڑھا جائے، یہاں تک کہ قعدہ اخیرہ اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپ نے اسلئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ اُن کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع، سجدہ وغیرہ تعذیل کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا نہیں کرتے تھے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشانہ ہی فرمائی اور اس کی اصلاح فرمادی۔

حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے سے اٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”ثُمَّ ارْقَعْ حَتَّى تَنْظُمَا۟نِ جَالِسًا“ (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ)۔ اور بعض دو سجدہ راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:۔۔۔ ”ثُمَّ ارْقَعْ حَتَّى تَسْبُوحَا۟ قَائِمًا“ (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔

یہ دونوں روایتیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں۔ جن ائمہ و علمائے تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دو سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہیئے جس کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے ان کے نزدیک پہلی روایت اناج ہے اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اسکے ارکان پوری طرح ادا نہ ہو سکے مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا اور جتنا توقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا تو ایسی نماز ناقابل اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ :

۱۰۶، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَقِمُّ الصَّلَاةَ بِالْكَبِيرِ وَالْعُرَاةِ بِأَحْمَدَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُفْخِضْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلَكِنْ بَايَنَ ذَالِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ أَعْتَابِ الْحَيَّةِ وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيُنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعِيهِ إِفْتَرَاشَ السَّبْعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ۔ رواه مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شان ہے، اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور پنچے ہی زمین سے لگتے ہیں۔ نیز گتے، بھیرے وغیرہ دزدے بھی اس طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں، اسلئے نمازیں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس عورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے، اور اسکے حق میں برا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ اُن کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے، اسلئے وہ کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انھوں نے اس طرح بیٹھنے کو ”مستند نبیکم“ فرمایا، تو اس کا مطلب بھی بظاہر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھے ہیں واللہ اعلم بہر حال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے، ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

(۱۰۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَمَّا عَرَفَ قَالَ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَخْطَأُكُمْ لِمَلُوءَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَايَتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ

(۱۰۷) کا ترجمہ: ”عقبۃ الشیطان“ اور ”اقعاء“ کا جو دو سرا مطلب بیان کیا گیا ہے، اگرچہ لغتہ کے لحاظ سے وہ بھی صحیح ہے، لیکن چونکہ کسی جاہل سے جاہل نمازی کے متعلق بھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس طرح نماز میں بیٹھے گا، اسلئے اس ناچیز نے نزدیک اس کو مراد لینا بہت بعید ہے۔ واللہ اعلم

يَدَيْهِ حَتَّىٰ يَمْسُكَبِيَّهُ فَاِذَا رَكَعَ اَمْلَكَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ
هَضَرَ ظَهْرَهُ فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَىٰ حَتَّىٰ يَحُوَّ كُلُّ
فَقَارِ مَكَانِهِ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفَارِشٍ وَلَا
فَاِضٍ هُمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاُطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا
جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَىٰ رِجْلِهِ الْيُسْرَىٰ
وَنَصَبَ الْيُمْنَىٰ فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ
قَلَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ وَنَصَبَ الْاٰخِرَىٰ وَقَعَدَ عَلَىٰ
مَقْعَدٍ تَحْتَهُ

-- رواہ البخاری

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے
صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اس کے بعد
فرمایا کہ) میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپ تکبیر کہتے تو
اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مونڈھوں تک لے جانے اور جب رکوع میں جاتے تو
اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے، پھر اپنی کمر کو پوری طرح ٹوپیٹتے
(اور بالکل سیدھی برابر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر اٹھا کر اٹھاتے تو بالکل سیدھے
اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکنا (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر
آجاتا (جہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے) پھر جب آپ
سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو ان کو زمین پر
بچھا دیتے اور نہ ان کو شکستہ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں ہاتھوں کو
شکستہ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کے اپنے چہرے کے مقابلے میں دائیں بائیں
رکھ لیتے تھے لیکن کلانیوں اور کمنیاں زمین سے الگ اور اٹھی رہتی تھیں) اور

پاؤں کی انگلیوں کا منحنی سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے آپ (القیات کے لئے) بیٹھتے تو دامنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپ قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ دامنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اسکے نیچے سے) آگے کی جانب نکال دیتے اور اپنی سرنیوں پر بیٹھ جاتے (جس کو تَوَرُّفَ کہتے ہیں)۔

(صحیح بخاری) :

(تشریح) ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں دوسرے ایک صحابی مالک بن ابیورثہ کا بیان ہے کہ: ”حَتَّى يُجَاوِزَ دُبْعًا اَوْ نَبْخًا“ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے، لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے جب ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ انگلیاں کانوں تک پہنچ جائیں تو ہاتھوں کا نیچے والا حصہ مونڈھوں کے مقابلہ میں ہوگا، اور اس صورت کو کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور مونڈھوں تک اٹھانے سے بھی۔

ایک اور صحابی وائل بن مجروح نے وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی جو یسن ابی داؤد کی ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں: ”رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ اِصْبَالُ مَنكَبَيْهِ وَكَأَنَّ اِصْبَالُ يَدَيْهِمَا مِثْلُ اُذُنَيْهِ“ (آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ وہ مونڈھوں کے برابر ہو جاتے، اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے محاذات میں آ جاتے)۔

حضرت ابو حمید ساعدی کی اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بھی بیان فرمائی گئی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اخیرہ میں اس طریقے پر بیٹھتے تھے جس کو تَوَرُّفَ کہتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ میں آپ کے بیٹھنے کا عام طریقہ وہی تھا جو حضرت ابو حمید

ساعدی نے قعدہ اولیٰ کا بیان کیا ہے اور جس کو اصطلاح میں افتراش کہتے ہیں —
 بعض ائمہ اور شارحین حدیث کا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بیٹھنے کا عام طریقہ تو وہی تھا جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے
 معلوم ہو چکا، لیکن کبھی کبھی سہولت کے لئے یا یہ ظاہر کرنے اور بتانے کے واسطے کہ
 اس طرح بھی بیٹھا جاسکتا ہے آپ نے توڑ ڈک بھی کیا ہے — دوسری رائے
 اس کے بالکل برعکس بھی ہے — اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ہی طریقے
 مشروع ہیں — —

خاص اذکار اور دعائیں: — —

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے مختلف اجزاء یعنی قیام اور رکوع و سجود وغیرہ میں
 جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثناء کرنے تھے اور اس سے جو
 دعائیں اور التجائیں کرتے تھے (جن میں سے چند انشاء اللہ آگے درج ہونیوالی حدیثوں سے
 ناظرین کو معلوم ہوں گی) ان اذکار و دعوات سے دل کی جس کیفیت کی تہ بہانی ہوتی تھی وہی
 دراصل نماز کی حقیقت اور روح ہے۔ اسی نقطہ نظر سے ان حدیثوں کو پڑھیے اور ان کیفیات کو
 اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔ یہی دولت عظمیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
 خاص انخاص ورثہ ہے۔

(۱۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً ثَلَاثًا
 بِأَبْنِ أَمْتٍ وَأُمِّهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ
 وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ؟ قَالَ أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْ
 بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنْقَوُ الثَّوْبُ اِلَّا بَيَضُ
مِنَ الدَّائِسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالسَّلَامِ
وَالْبَرْدِ ————— روای البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تجکیر تحریر اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت فرماتے تھے (یعنی آواز سے کچھ نہیں پڑھتے
تھے، لیکن محسوس ہوتا تھا کہ آپ خاموشی سے کچھ پڑھتے ہیں) تو میں نے ایک فوجی کو بلایا
یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ تجکیر تحریر اور قرأت کے
درمیان کی خاموشی میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں
اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ كُلِّ خَطَاۃٍ اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ
کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے اور لے اللہ! مجھے
خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک و صاف
کر دیا جاتا ہے اور لے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اگلے سے
دھو ڈال ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عام معافی اور منکرات سے معصوم اور محفوظ تھے،
لیکن ”قربیاں“ رابیش بود حیرانی کے فطری ہول پر آپ ان لغزشوں سے سخت لرزناؤں و ترساں
رہتے تھے جو بر بنائے بشریت آپ سے سرزد ہو سکتی تھیں، اور محصیت نہ ہونے کے باوجود
آپ کی شانِ عالی اور مقامِ قرب کے لحاظ سے قابلِ گرفت ہو سکتی تھیں۔ ۶
”جن کے تبتے ہیں ہوا ان کو ہوا شبکھل ہے“

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی دعاؤں میں ”خطایا“ یا ”ذُنُوب“
جیسے الفاظ جہاں جہاں آتے ہیں وہاں ان سے اسی قسم کی لغزشیں مراد ہیں۔ واللہ اعلم —
اس حدیث میں جو دعا مذکور ہوئی ہے اس کا حاصل بس یہ ہے کہ لے میرے اللہ! اولاً تو

مجھے ہر قسم کی خطاؤں اور غلطیوں سے اس قدر دور رکھ، جس قدر کہ تو نے مشرق کو مغرب کے اور مغرب کو مشرق سے دور رکھا ہے، اور بر بنائے بشریت جب کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو اس کی معاف فرما کر اسکے دلخ دھبتہ سے بھی مجھے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ میل کھیل دور کر کے سفید کپڑا بالکل پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اپنی رحمت کے نہایت ٹھنڈے پانی سے میرے باطن کو غسل دے کہ خطا قصور سے پیدا ہونے والی اپنے غضب کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کو بالکل ٹھنڈا کر دے اور اسکے بجائے اپنی رضا کی ٹھنڈک اور سکینت میرے باطن کو نصیب فرمادے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیرہ تحریمہ کے بعد اور قرآن کے پہلے کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَبِكَارَمِكَ اِسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ

رواہ الترمذی والیو داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے اللہ کی تسبیح اور حمد اس طرح کرتے، سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ۔۔۔ اے اللہ! تیری ذات پاک اور شرف ہے اور تیری تیری تقدیم بیان کرتا ہوں، اور سائے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں، اور تیرا نام پاک بڑا بابرکت ہے، اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے، اور تو ہی موجود برحق ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) حافظ محمد الدین ابن تیمیہ نے منتقی میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اور صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق دو اہل قطنی کے حوالہ سے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق نقل کرنے کے بعد کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کا افتتاح سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اِغْنِ عَنَّا سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد عموماً اور اکثر و بیشتر یہی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اِغْنِ عَنَّا کرتے تھے۔ اسلئے احادیث میں اوشدہ انتتار نماز کی دوسری دُعاؤں کے مقابلے میں یہی رائج و فاضل ہے۔ اگرچہ دوسری ثابت شدہ دُعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے مثلاً وہ دُعا جو حضرت ابو ہریرہؓ کی مندرجہ بالا روایت میں ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے یعنی اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ... اور اسی طرح وہ دُعا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

(۱۱۰) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجْهَتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَيْثُمَا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيعًا اِنَّكَ لَا تَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِحَسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ ، لَبَّيْكَ

وَسَعَدَ يَكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالسُّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
 أَتَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ
 إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ
 وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعْتُ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي، وَفُحْشِي وَظُلْمِي وَعَصْبِي
 فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَأَ السَّمَاوَاتِ
 وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِثْلَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ،
 وَإِذَا سَجَدَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ
 أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ
 وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، ثُمَّ يَكُونُ مِنْ إِخِرِ
 مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالسَّلَامِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ
 وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَ
 مَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ
 لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ————— رواه مسلم

حضرت علی رضی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریر کے بعد یہ دعا پڑھتے، تَوَهَّجْتُ
 وَجْهِي لِلَّذِي... اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ تک (یعنی میری
 اپنائی ہوئی طرف سے کیسے ہو کر اُس اللہ کی طرف کرو یا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے
 اور میں اُن میں سے نہیں ہوں جو اُس کے تعلق میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں۔ میری
 عبادت اور میرا ہر ذی عمل اور میرا جینا اور میرا مرنے کا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں۔
 اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور مالک ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو میرا

مالک وزب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے کو تباہ
کیا ہے اور مجھے اپنی خطاؤں کا اقرار ہے پس اے میرے مالک! میری ساری خطائیں
معاف کر دے، گناہوں کا بخشے والا تیرے سوا کوئی نہیں، اور برے اخلاق میری فکر
سے ہٹا دے اور دُور کر دے، ایسا کرنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے حضور میں
اور تیری خدمت و نصرت کے لئے حاضر ہوں، حاضر ہوں، بولا: ہر قسم کی خیر اور بھلائی
تیرے ہی ہاتھوں میں ہے اور بُرائی کا تیری طرف گزرنے نہیں۔ مجھے تیرا ہی سہارا ہے
اور تیری ہی طرف میرا رخ ہے، تو برکت والا اور رحمت والا ہے، میں تجھ سے مغفرت
اور بخشش کا سائل ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ (یہ دعا تو آپ تکبیر تحریر کے
بعد قرأت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے) پھر جب (قرأت سے فایز ہو کر) آپ رُکوع میں
جاتے تو کہتے: "اللَّهُمَّ لَكَ وَكَلْتُ" وعظمی وعصبی "تک۔ (یعنی
اے اللہ! میں تیرے حضور میں جھکا ہوا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے
تیرے لیے جو کچھ دیا ہے، میں سب کچھ کان اور میری آنکھیں اور میرا مغزوہ استخوان اور میرا
رگ پٹے سب تیرے حضور میں جھکے ہوئے ہیں)۔ .. پھر جب آپ رُکوع سے سر اُٹھاتے
تو (سیدے کھڑے ہو کر) اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
وَلَا الْمَشَافَاتِ وَلَا رُحْنٌ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِثْلَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ
يَقْبَلُ" (یعنی اے اللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے، اسی وسیع اور بے انتہا حمد جس سے
آسمان زمین کی ساری نعمتیں بھر جائیں اور اُنکے دریاں کا سا اضافہ ہو جائے)
اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو (اللہ کے حضور میں زمین پر اپنی پیشانی رکھ کے) عرض کرتے:۔
"اللَّهُمَّ لَكَ تَجَدَّدْتُ" أَحْسَنُ الْحَالِ قَاتِنٌ "تک (یعنی اے اللہ!
میں تیرے لئے اور تیرے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں
اپنے کو تیرے لئے کھولے گا دیا ہے، میں اپنا ہر ملنے اُس خالق کے سامنے سجدہ کر رہا ہے جس نے

اس کی تخلیق کی اور اس کی یہ صورت بنائی، اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں بنائیں اور کھجور
 ہمارا بہترین خالق)۔ پھر نشہد یعنی التہیات اور سلام کے درمیان (سبک
 آئیں) آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدْ مَاتَ وَمَا
 أَحْيَيْتَ... لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ“ تک۔ (یعنی اے اللہ! جو خطائیں میں نے
 پہلے کیں یا پیچھے کیں اور چھپا کر کیں یا علانیہ کیں اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور جس کا مجھے
 مجھ سے زیادہ علم ہے اس سب کو معاف فرمائے اور مجھے بخش دے تو ہی آگے کرنے والا اور
 تو ہی پیچھے ڈال دینے والا ہے، یعنی توبہ سے چاہے آگے بڑھائے اور بسے چاہے پیچھے ہٹائے
 تیرے سوا کوئی معبود مالک نہیں)۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے دفاتر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے متعلق روایات کا جو
 ذخیرہ ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو تفصیل اور رکوع و سجود اور تومہ وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی ہیں یہ
 روزمرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً
 کبھی کبھی آپ ایسا بھی کرتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ تہجد کی نماز اس طرح
 پڑھتے ہوں۔ امام مسلم نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔
 اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں ان سے کچھ
 سمجھا جاسکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضور کے قلب مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اور آپ
 نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نمازیں اور خاص کر تہجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بھی بہت سی دعاؤں
 کا پڑھنا ثابت ہے، جو انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی، ان سب دعاؤں میں
 ایک خاص رُوح ہے، اگر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہوگی تو فرض
 نمازوں میں بھی امام ان دعاؤں میں سے پڑھ سکتا ہے، اور نوافل میں تو اس دولت عظمیٰ سے

حصہ لینا ہی چاہئے ————— وَفِي ذَٰلِكَ خَلِيقَتْنَا فِرًا لِّمَنَّا خِشُونَ

نماز میں قرأتِ قرآن : —————

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے ————— جیسا کہ معلوم اور معمول ہے قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریرہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تین مثالورہ دُعائیں :-
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَغَيْرِ غَنَقَرِيبَ هٰی مَدُكُوْرُ بُوْکِیْ هٰی) اسکے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ ہو گیا اس کا اظہار یہ ہے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور بڑا باریک بیان بھی ہے، ہر قسم کے شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے صراطِ مستقیم یعنی دینِ حق اور شریعتِ الہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بنا پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دُعا بھی ہے ————— بہر حال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ تعین طوری سے اس وجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اسکے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی، اسکے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورۃ کا کوئی بھی حصہ پڑھے ————— قرآن مجید کا جو حصہ بھی وہ پڑھے گا اس میں اس کے لئے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوگا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کا بیان ہوگا یا یومِ آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزا سزا کا ذکر ہوگا، یا علمی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہوگا، یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہوگا۔ الغرض پڑھنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہوگی، یہ گویا اُسکی دُعا و ہدایت (رَاهِدْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ) کا اللہ تعالیٰ

کی طرف سے نقد جواب ہو گا جو اسی کی زبان پر جاری ہو گا۔۔۔۔۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۃ فاتحہ اور اسکے بعد کوئی اور سورہ یا کسی سورہ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی۔ اور اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اسکے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ قرأت فی الصلوٰۃ کے بارے میں آپ کا طرز عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

(۱۱۱) عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَمَا أَغَلَّتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْلَتَاؤُهُ وَمَا أَخْفَاؤُهُ أَخْفَيْنَاؤُهُ لَكُمْ۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔۔۔۔۔ آگے حضرت ابو ہریرہ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن نمازوں میں قرأت بالجہ فرماتے تھے ان میں ہم بھی ہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سنا کے پڑھتے ہیں، اور جہاں آپ آہستہ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور تم کو سنا کے نہیں پڑھتے۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں نماز کے لئے قرآن کی کسی خاص سورۃ کا نہیں بلکہ مطلق قرأت آج کل کو ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث کے باوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہ قرأت فرماتے تھے ان میں

ہم بھی بالجہ قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

(۱۱۲) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ —

رواہ البخاری و مسلم (وفی رواية لمسلم لمن لم يقرأ بام القرآن فصاعداً)

حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ اور

اس کے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

(تشریح) اس حدیث سے تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۃ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی

جزو ہے اور اس کے بعد قرآن مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے لیکن اس میں پوری

وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

مسئلہ قرأت فاتحہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب: —————

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے

اس حدیث سے اور اسی طرح کی بعض اور احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ نماز خواہ اکیلے نماز

پڑھ رہا ہو، خواہ امامت کر رہا ہو، خواہ مقتدی ہو اور نماز خواہ جہری ہو یا ستری ہر حال میں

اس کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل اور ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے

ائمہ نے اس حدیث کے ساتھ ہی مسئلہ سے متعلق دوسری بعض حدیثوں کو بھی سامنے رکھ کر یہ رائے

قائم رہائی ہے کہ اگر نمازی مقتدی ہو اور نماز جہری ہو تو امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے، لہذا اس صورت میں مقتدی کو خود قرأت نہیں کرنی چاہئے، اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نمازی کو سووٹا خاتہ لازم پڑھنا چاہئے۔

امام عظم حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں بلکہ وہ سب سے زیادہ سختی سے امام کی قرأت کو مقتدی کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ ان حضرات کے اس نقطہ نظر کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو اگلے ہی نمبر پر درج ہو رہی ہے۔

(۱۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَا جَعَلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتِقَهُ بِهِ فَإِذَا أَكْبَرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا أَقْرَأَ فَأَنْصِتُوا۔۔۔۔۔ ۱۰۱ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- امام پہلے بنا یا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتدا اور اتباع کریں لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموشی سے کان لگا کر سُنو۔۔۔۔۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) امام کی قرأت کے وقت خاموشی سے سُننے کی یہ ہدایت بالکل انہی الفاظ میں بعض اوصحاب کرامؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے۔ اور وہیں ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ والی اس حدیث کی بھی تصحیح اور توثیق کی ہے اور بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا ماخذ و منشا قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے :-

”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔“

(الاعراف ۱۲۶)

اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو متوجہ ہو کر سنو اور خاموش رہو۔ شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ۔

امام ابو حنیفہؒ جو سنی نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام محمدؒ اور امام طحاویؒ اور امام دارقطنیؒ وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے۔ ————— موطا امام محمدؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: —————

”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ كَقِرَاءَتِهِ“ (حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص نماز کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے)۔

(فائدہ) یہ مسئلہ کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اُن بحرِ اختلافی مسائل میں سے ہے جن پر ہماری اس صدی میں بلابالغہ سینکڑوں کتابیں دونوں طرف سے لکھی گئی ہیں اور بلاشبہ ان میں سے بعض تو علم و تحقیق اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے شاہکار ہیں لیکن معارف الحدیث کا یہ سلسلہ اُمت کے جس طبقہ کے لئے اور جس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا جا رہا ہے، یہ مباحث اس کے لحاظ سے نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے مضرب بھی ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے تمام اختلافی مسائل میں صحیح راہ یہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، دل سے ان کا احترام کیا جائے اور سمجھا جائے کہ ان میں سے ہر ایک نے کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل کا مطالعہ اور پس منظر کو دیکھ کر کے بعد جو کچھ اپنے نزدیک زیادہ رائج سمجھا ہے نیک نیتی سے اس کو اختیار کر لیا ہے، ان میں سے کوئی بھی باطل پر نہیں ہے۔ اور یہ اسکے منافی نہیں ہے کہ اُمت کی مصلحت عامہ کی خاطر، جمالت و نفسانیت اور فتنوں کے اس دور میں کسی ایک مسلک سے اپنے کو وابستہ رکھا جائے۔

بہر حال معارفِ اہلحدیث کے اس سلسلہ میں بحث و مناظرہ کی راہ سے سمجھتے ہوئے چسپلنے کا التزام کیا گیا ہے۔ احمد شہر پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مایہ نحر اور استاد الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ الباقیہ وغیرہ میں اصولی طور پر جو راہِ عدل و اعتدال ان اختلافی مسائل کے بارے میں اختیار کی ہے اس دور میں اُمتِ محمدیہ کے لئے بس وہی راہ ہے جس کو اپنا لینے کے بعد اُمت کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ سکتا ہے۔

نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت: —

(۱۱۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقِ وَالْقُرْآنِ الْبَحِيْثِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَوَاتُهُ بَعْدَ تَحْقِيقِهَا — رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورہ بقرہ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی — (صحیح مسلم)

(تشریح) شارحین نے آخری خاکشیدہ فقہ کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد کی آپ کی نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء و یہ سب بہ نسبت فجر کے ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقہ کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرام کی تعداد کم تھی، اور آپ کے پیچھے جماعت میں سب با یقین اولین ہی ہوتے تھے۔ آپ کی نمازیں عموماً طویل ہوتی تھیں، اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، اور ان میں دوم سوم درجہ والے اہل ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ نمازیں نسبتاً ہلکی پڑھنے لگے تھے، کیونکہ جماعت میں

نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی سورت میں اس کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں جن کے لئے طویل نماز باعث رحمت ہو جائے۔ اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں وری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم

(۱۱۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا غَسَّغَسَ - - -

رداءہ سلم

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں "وَاللَّيْلِ إِذَا غَسَّغَسَ" (یعنی سورہ تکویر) پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح مسلم)

(۱۱۶) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلَّيْنَا نَارَ سُورَةِ اللَّهِ صَلَّيْنَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَمَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى أَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةً فَرَكَّهَ - - -

رداءہ سلم

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور سورہ مؤمنوں پڑھنی شروع نہ مائی، ابھی آپ اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کا یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر ہے کہ آپ کو کھانسی آنے لگی اور آپ نے رکوع فرمادیا۔ (صحیح مسلم)

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ ————— رواہ مسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فجر کی دو رکعتوں میں سورہ بقرہ کی آیات: ۱۰۱ قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا مِنْهُ
اور سورہ آل عمران کی یہ آیات: ۱۰۱ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۱۲۰ ر عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَغْوِذُ لِرَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي الشَّقْرِ فَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ
أَلَا أَعْلَمُكَ خَيْرَ سُورَتَيْنِ قُرِئَتْمَا قَعْلَمَتِي قُلْ أَعُوذُ
بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ قَالَ فَلَمْ يَزِدْنِي
شَيْئًا بِيَّهَا حَتَّىٰ فَلَمَّا نَزَلَ لِمُصَلَّةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا
صَلُوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ انْتَهَتْ إِلَيَّ قَالَ يَا عُقْبَةُ
كَيْفَ زَأَيْتَ ————— رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ناقہ نمبرا کہ کی ہمارے کچھ رکھ رہا تھا، اثنائے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھ سے فرمایا، عقبہ! میں تم کو قرآن کی دو بہترین سورتیں تعلیم کروں؟ اس کے بعد آپ نے
سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تعلیم فرمائیں۔
پھر آپ نے محسوس فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تعلیم سے مجھے بہت زیادہ خوشی نہیں
ہوئی، تو مجھ سے کہی کہ کیا آپ اترے تو آپ نے یہی دونوں سورتیں پڑھ کر فجر کی
نماز پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔
عقبہ! تم نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا؟

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْمُرْتَجِلِ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَىٰ عَلَىٰ هَذِهِ نَسَانٌ . . — رواه البخاری و مسلم
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الحمد تنزیل (یعنی سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ہل اذہا علی لانسان (یعنی سورۃ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے متعلق جو حدیثیں یہاں درج کی گئیں اد کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں ملتی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت فجر کی نماز میں نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ فجر کی نماز بھی قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس جیسی چھوٹی سورتوں سے پڑھاتے تھے۔ اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قرأت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۃ "المرتنزل السجدہ" اور سورۃ "الدھر" پڑھنے کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا سزا کا بیان بہت موثر انداز میں کیا گیا ہے، اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ ہی کے دن قائم ہونے والی ہے، اس لئے غالباً آپ اس کی تذکر اور یاد دہانی کے لئے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

ظہر وعصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت: —

(۱۲۲) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأَوَّلِ بِبَابِ الْيَنَابِ وَ سُورَتَيْنِ
وَفِي الرَّكَعَتَيْنِ الْآخِرَتَيْنِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَيُسَمِّعُنَا آيَةَ
أَحْيَانًا وَيَطْوِلُ فِي الرَّكَعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرَّكَعَةِ
الثَّانِيَةِ وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ —

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اسکے علاوہ دو سوڑ میں پڑھتے تھے،
اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ۔ اور کبھی کبھی (سری نماز میں بھی)
ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے، اور پہلی رکعت میں
طویل قرأت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے، اور اسی طرح
عصر میں، اور اسی طرح فجر میں آپ کا معمول تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی ستری نماز میں ایک آدھ آیت
آپ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے۔ بعض
شراحین نے لکھا ہے کہ غالباً ایسا کبھی غلبۂ استغراق میں ہو جاتا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
آپ کبھی بقصد تسلیم ایسا کرتے ہوں یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورہ پڑھ رہا ہوں
یا اپنے اس عمل سے یہ مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر ستری نماز میں ایک آدھ آیت اتنی
آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے
نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

(۱۲۳۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَفِي رَوَابِةٍ يَسْتَبِيحُ اسْمَ رَبِّكَ إِلَّا عَلَىٰ وَفِي الْعَصْرِ نَحْوُ ذَلِكَ وَفِي الصُّبْحِ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ

رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ واللیل إذا یغشی پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ سبّح اسم ربک الا علی پڑھتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی ترقیب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل۔

(صحیح مسلم)

نماز مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات:۔

(۱۲۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحَمْدِ اللَّهِ حَانَ

رواہ النسائی

سنن عبد اللہ بن عثمان بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۃ حمد اللہ حان پڑھی۔۔۔ (سنن نسائی)

(۱۲۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ۔۔۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ طہ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۲۶) عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُوسَلَّاتِ عُرْفًا۔
رواہ البخاری مسلمہ

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ والموسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُورَةِ الْأَعْرَافِ فَزَقَّهَا فِي رَكْعَتَيْنِ۔
رواہ النسائی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورۃ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھی۔

(سنن نسائی)

(تشریح) ان چاروں حدیثوں میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو ”قصار“ کہا جاتا ہے۔ بلکہ سب ان بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو ”طوال“ کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیقہؓ والی آخری حدیث میں جس سورۃ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پوسے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہر حال ان چاروں حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طویل طویل سوتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپ کا اکثری معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا۔ اسلئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں اور آپ کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی

قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا، انشاء اللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نمازِ عشا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت: —

(۱۲۸) عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْرُؤًا فِي الْعِشَاءِ وَالزَّيْتُونَ، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ ————— رواه البخاری ومسلم

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشا کی نماز میں سورہ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور میں نے آپؐ کے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحیحین ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت براء بن عازبؓ نے اس حدیث میں کیا ہے سفر کا ہے، اور آپؐ نے اس نماز کی کسی ایک رکعت میں سورہ والتین پڑھی تھی۔

(۱۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مَعَاذُ بَنِي جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ، فَصَلِّيَ لِقَوْمِهِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَأَتَتْهُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَأَنْحَرَتْ رَجُلًا فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَأَنْحَرَتْ فَقَالُوا لَهُ إِنَّا فَتَنَّا يَا فُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللَّهِ وَلَا تَبَيَّنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُخْبِرَتْهُ فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاحِصَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ زَوَاتٍ مَعَاذًا
صَلَّى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتَى قَوْمَهُ فَأَخْتَمَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ
فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَعَاذٍ فَقَالَ
يَا مَعَاذُ أَكْثَانُ أَنْتَ؟ اقْرَأْ وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا، وَالضُّحَى
وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَى، وَسَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى -

رواہ البخاری و مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے، پھر آ کر اپنے
قبیلہ کی مسجد میں امامت کرتے۔ ایک رات انھوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، پھر اپنے قبیلہ میں گئے اور ان کی امامت کی اور (سورہ
فاتحہ کے بعد) سورہ بقرہ شروع کر دی۔ ایک شخص نماز توڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور
اُس نے تنہا اپنی نماز پڑھی (چونکہ یہ بات بہت غیر معمولی تھی اور اُس دور میں
نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا منافقوں ہی کا طریقہ تھا اسلئے) لوگوں نے
اس کو بہت محسوس کیا، اور اُس شخص سے کہا: "فلانے! تو منافق تو نہیں ہو گیا؟"
اُس نے جواب دیا: "خدا کی قسم نہیں! بلکہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے یہ بات رکھوں گا۔" چنانچہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمارا کام
اونٹوں کے ذریعہ پانی پہنچانا ہے، ہم لوگ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور لگاتار
رات ایسا ہوا کہ معاذ عشاء کی نماز آپ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی
مسجد میں گئے (اور یہاں انھوں نے نماز پڑھائی شروع کی) تو سورہ بقرہ شروع
کر دی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حضرت معاذ کی طرف مومن فرمایا اور

ارشاد فرمایا:۔ معاذ! کیا لوگوں کو تم فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو! سورۃ والشمس وضحاہ
سورۃ والضحیٰ، سورۃ واللیل اذا يغثنی، اور سقیم اسم ربک الا علیٰ طحا
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشا کی نیت از
دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدی بنکر، اور دوسری دفعہ
اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، لیکن جہورائے علماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی
نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز
وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کی اقتداء میں پڑھتے تھے وہ
فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں امام بن کر نفل کی نیت سے پڑھتے تھے
اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ اسکے قائل ہیں کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز
پڑھی جا سکتی ہے، ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام حنفیہؒ
اور امام مالکؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے زیر بحث واقعہ کے متعلق ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ فرض
عشا کی نیت سے اپنے قبیلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھاتے تھے، اور چونکہ مسجد نبویؐ کی جماعت کے
وقت تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اسلئے آپ کی نماز
کی خاص برکات میں حصہ لینے کے لئے اور سیکھنے کی غرض سے وہ نفل کی نیت سے آپ کے ساتھ
بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اس مسئلہ پر بھی دونوں طرف سے بڑی فاضلانہ فقہانہ اور محدثانہ
بحثیں کی گئی ہیں۔ اہل علم شروح حدیث فتح الباری، عمدۃ القاری اور فتح الملہم میں
دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کی خاص ہدایت جو ہمارے موضوع اور عنوان سے متعلق ہے بس یہ ہے کہ اگر کو
چاہئے کہ وہ نماز اتنی طویل نہ پڑھیں جو مقتدیوں کے لئے باعث مشقت ہو جائے، خاصکہ ضعیفوں

کمزوروں اور محنت پیشہ لوگوں کا محاذ رکھیں۔

مختلف اوقات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت :-

(۱۳۰) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَافٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ
وَلَدًا أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ قُلَاقٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يُطِيلُ الرُّكْعَتَيْنِ
الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظَّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْآخِرَتَيْنِ وَيُخَفِّفُ النَّصَرَ
وَيُقَرِّأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمَفْصَلِ وَيُقَرِّأُ فِي الْعِشَاءِ
بِوَسْطِ الْمَفْصَلِ وَيُقَرِّأُ فِي الصُّبْحِ بِطَوَالِ الْمَفْصَلِ —
رواه النسائي

سلیمان بن یساف زتالعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
انھوں نے (اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: میں نے
کبھی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے
زیادہ مشابہ ہو فلاں امام کی نسبت — — — سلیمان بن یساف کہتے ہیں کہ
ان صاحب کے پیچھے میں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی
دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے اور عصر مثلی ہی
پڑھتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے
اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ — — — (سنن نسائی)

(تشریح) ”مفصل“ قرآن مجید کی آخری منزل کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یعنی سورۃ حجرات
سے آخر قرآن تک، پھر اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں۔ حجرات سے لیکر سورۃ بروج تک کی
سورتوں کو ”طوال مفصل“ کہا جاتا ہے اور بروج سے لیکر سورۃ تم تک کی سورتوں کو

”اوساط مفصل“ اور کم لکین سے لیکر آخر تک کی سورتوں کو ”قصار مفصل“ کہا جاتا ہے۔
اس حدیث میں اُن صاحب کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان ہے کہ:-

”ان کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ تھی اور
کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی جو نہ بہت ان کی نماز کے
حصہ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔“

بہر حال اُن صاحب کا نام نہ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے،
مگر شارحین حدیث نے محض قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر
کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے
اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت
ابو ہریرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی
نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی وہی تھا جو اُن صاحب
کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں
قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل، اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط
لکھا تھا جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے (اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت
کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے مصنف عبد الرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

”كُتِبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنْ أَقْرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْصَلِ
وَفِي الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفْصَلِ وَفِي الصُّبْحِ بِطَوَالِ الْمُفْصَلِ“

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل

بیشاویں اور سادہ مفصل اور فجر میں طویل مفصل پڑھاؤ۔) (نصاب الدار)

اور امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اور سادہ مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی القراءة فی الظہر وما یصح)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی ہوگی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی تعلیم سے انھوں نے ایسا ہی سمجھا ہوگا۔ اسی بنا پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو خاص راہنما مان کر اسی کے مطابق عمل کو اول اور تمسک قرار دیا ہے۔

جمہور عیدین کی نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت:-

(۱۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَغْلَبَ مَرَدَانُ
أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا
أَبُو هُرَيْرَةَ النُّجُمَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ النُّجُمَةِ فِي ثَلَاثَةِ الْأَوَّلِ
وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ النُّجُمَةِ

۔۔۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غلام اور خادم ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ بن ابی رافع (جو اکابر تابعین میں ہیں) بیان کرتے ہیں کہ وہاں (جس زمانہ میں کہ امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) حج وغیرہ کسی مندرجہ ذیل کا مظہر گیا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان دنوں کے لئے یہاں اتنا نام لگا کہ حضرت ابو ہریرہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو اس کی پہلی رکعت میں سورہ النجمہ پڑھا

دوسری میں سورہ مناخقون پڑھی اور فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ ————— (صحیح مسلم)

(۱۳۲) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسْمِ اللَّهِ اسْمَهُ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ، قَالَ فَلَمَّا ذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاةَيْنِ۔

رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نمازیں "بِسْمِ اللَّهِ الرَّبِّ الْعَلِيِّ" اور "هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ" پڑھا کرتے تھے اور اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں نمازوں میں یہی دو سورتیں پڑھتے۔ ————— (صحیح مسلم)

(۱۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا ذَرٍّ الْلَيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْفَى وَالْفَطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِقِيَامِ الْقُرْآنِ الْجَمْعَيْنِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔

رواہ مسلم

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے) عید اللہ بن عبید بن مسعود (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذر اللیثیؓ سے پوچھا کہ: عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے تھے؟

۱۔ بعض شایعین نے لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال نہ تو ناواقفیت کی وجہ سے تھا اور نہ بھول کی وجہ سے۔ دونوں ہی باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت مستبعد ہیں اس لئے (بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

انہوں نے فرمایا کہ: ”آپ ان دونوں میں ”ق“ و القرآن المجید اور ”اقتربت الساعة“

پڑھا کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کی دونوں اُتوں میں علی الترتیب اکثر و بیشتر سورہ بقرہ اور سورہ منافقون یا سورہ اہلئ و سورہ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، اور عیدین کی نماز میں بھی یا تو یہی دونوں آخری سورتیں سورہ اہلئ و غاشیہ پڑھا کرتے تھے یا ”ق“ و القرآن المجید اور ”اقتربت الساعة“

نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق اب تک جو حدیثیں درج کی گئی ہیں اور جو کچھ ان کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے اس سے ناظرین نے یہ دو باتیں ضرور سمجھ لی ہوں گی۔ (۱) آپ کا اکثری معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طویل مفصل پڑھتے تھے، ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے، عصر مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے، اور اسی طرح مغرب بھی عشاء میں اوسط مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی بسکے خلافت بھی ہوتا تھا۔

(۲) کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپ نے حکم دیا، اور نہ عملاً ایسا کیا، ہاں بعض نمازوں میں اکثر و بیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپ کے ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں فرماتے ہیں: —

وَقَدْ اخْتَارَ رَسُولُ اللَّهِ	رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ نَمَازِهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	مِنْ كَافَّةِ مَصَالِحِ أَوْرَاقِهِ كَمَا يَذْكُرُ فِي بَعْضِ نَمَازِهِ
بَعْضُ السُّورِ فِي بَعْضِ الصَّلَاةِ	خَاصَّ سُوْرَتَيْنِ پڑھنی پسند فرمائیں، لیکن

(۱) کا بقیہ حاشیہ) اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ ابو داؤد و ترمذی کے علم اور انکی یادداشت کا حال معلوم کرنا تھا، یا انکی زبان سے دوسروں کو سنوانا تھا، یا خود اپنے علم کی توثیق مقصود تھی۔ واللہ اعلم

لَا تُؤَاخِذُكَ مِنْ غَيْرِ
حَتَّىٰ تَطْلُبَ
مَوَكِّدًا فَمِنْ أَتَىٰ
فَقَدْ أَحْسنَ وَمِنْ
لَا فَتَلَا حَرْجَ -
”حجۃ اللہ البالغہ“
(مقصود دوم)
قطعی طور پر نہ ان کی تعیین کی نہ دوسروں کو
تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس
اس بابہ میں اگر کوئی آپ کا اتباع کرے
(اور ان نمازوں میں وہی سورتیں
اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے، اور جو
ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی کوئی
مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔

سُورَةُ فَاتِحَةٍ کے ختم پر ”آمین“ :-

سُورَةُ فَاتِحَةٍ جو مُتَعَتِّین اور ختمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ
معلوم ہے اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور چوتھی آیت میں
اُس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دُعا کی تمہید ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے
ہدایت کی دُعا اور اس کا سوال ہے، اور اسی پر یہ سورۃ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ختم پر ”آمین“ کہنے کی ہدایت فرمائی ہے، اور جب نماز جماعت کیساتھ
کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو ختم ہے کہ جب امام سُورَةُ فَاتِحَةِ کی آخری دُعا پڑھتا ہے
کے بعد اس ختم کے مطابق آمین کہے تو اُس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

(۱۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِنُوا فَإِنَّهُ مَسْنٌ وَافَقٌ
تَامِيْنُهُ نَامِيْنُ الْمَلَائِكَةِ عَفْوْلُهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام (سورۃ فاتحہ کے ختم پر) آمین کہے، تو تم مقتدی بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے، نہ اُس سے پہلے نہ اُس کے بعد میں، اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جبکہ امام آمین کہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کر کے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ بھی اُسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ کے فرشتے بھی اُسی وقت آمین کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کی تھیں آمین کہیں گے اُن کے سابقہ گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيُؤْمَرْكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمْ اللَّهُ —

رواہ مسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام کہے کہ تم تکبیر کہو، اور جب وہ سورۃ فاتحہ کی آخری آیت "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھے تو تم کہو آمین (یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں

مانگی ہوئی ہدایت کی دعا قبول فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) آمین دراصل قبولیت دعا کی درخواست ہے، اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میری کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کر لے اسلئے سائلانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھ اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرمائے اور میری دعا قبول فرمائے۔ اس طرح یہ مختصر سلفظ رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اللہ رحمۃ سے روایت ہے کہ :-

”ایک رات ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جا رہے تھے ایک شخص کے پاس سے گزرنا ہوا جو بڑے احاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دعا کر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ اگر یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگا دے تو یہ ضرور قبول کر لے گا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مہر؟ آپ نے فرمایا کہ :- آمین کی مہر“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے جن سے دعا کی قبولیت کی خاص امید کی جاسکتی ہے۔

آمین بالجہر یا بالسر :-

نماز میں آمین بالجہر کہی جائے یا بالسر! یہ مسئلہ بھی خواہ مخواہ معرکہ کا مسئلہ بن گیا، حالانکہ کوئی بانصاف صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حدیث کے مستند ذخیرے میں جہر کی روایت بھی موجود ہے اور سر کی بھی، اسی طرح اس سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ و تابعین دونوں میں آمین بالجہر کہنے والے بھی تھے اور بالسر کہنے والے بھی، اور یہ

ابو ابن الزکاتانی نے طبری سے نقل کیا ہے :- والصواب ان الخیرین بالجہر یا بالسر (بقیہ ص ۲۶۴ پر دیکھئے)

بجائے خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے ثابت ہیں اور آپ کے زمانہ میں دونوں طرح عمل ہوا ہے، یہ ناممکن ہے کہ آپ کے زمانہ میں کبھی آئین بالجہر نہ گئی ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ ہر سے کہنے لگے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ آپ کے دور میں اور آپ کے سامنے آئین بالستر کبھی عمل نہ ہوا ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ ایسا کرنے لگے ہوں۔ الغرض صحابہ اور تابعین میں دونوں طرح کا عمل پایا جاتا اس کی قطعی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں دونوں طرح عمل ہوا ہے۔ ————— بعد میں بعض ائمہ مجتہدین نے اپنے علم و تحقیق کی بنا پر یہ سمجھا کہ آئین میں اصل جہر ہے اور عہد نبوی میں زیادہ تر عمل ہی پر تھا، اگرچہ کبھی کبھی اسکے خلاف بھی ہوتا تھا اسلئے ان حضرات نے آئین بالجہر کو فصل کہا اور بالستر کو بھی جائز کہا اور اسکے برعکس دوسرے بعض ائمہ نے اپنے معلومات کی بنا پر یہ سمجھا کہ آئین جو قرآن کا لفظ بھی نہیں ہے دراصل وہ بالستر یعنی آہستہ سے کہنے کی چیز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عام طور سے آہستہ ہی کہا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی بالجہر بھی کہا جاتا تھا۔ ————— الغرض جن ائمہ کی تحقیق اور غور و فکر نے ان کو اس نتیجہ پر پہنچایا ان کی رائے یہ ہوئی کہ اصل اور فصل بالستر کہنا ہی ہے لیکن جائز بالجہر بھی ہے۔ ————— بہر حال ائمہ کے درمیان اختلاف صرف افضلیت میں ہے، جو اسے کسی کو بھی انکار نہیں ہے اور یقیناً ہمارے ائمہ سلف میں سے ہر ایک نے وہی رائے قائم کی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے جس کو انھوں نے دیانتدارانہ غور و فکر اور تحقیق کے بعد زیادہ صحیح سمجھا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے

اور

ہم سب کو اتباع حق اور عدل کی توفیق!

(۱۲۱) کا فقیہ حاشیہ

والخلافة صحیحان و عمل بكل من فعلیہ جماعة من العلماء۔ (المجموع النقی) ۱۳۲

رفع یدین :-

بالکل یہی حال مسئلہ رفع یدین کا بھی ہے اس میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت بلکہ سجدے سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی —

رفع یدین کیا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وائل بن حجرؓ اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نماز اس طرح بھی پڑھتے تھے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اسکے بعد پوری نماز میں کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور براہ بن عازبؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین میں بھی دونوں طرح عمل کرنے والوں کی اتنی خاصی تعداد موجود ہے اس لئے ائمہ مجتہدین کے درمیان اس باب میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱۳۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذَّ مَعْكِدِهِ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ وَلَا ذَاكَ لِلرُّكُوعِ وَلَا إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهَ لِمَنْ حَمَدَهُ رَبَّنَا إِلَهَ الْحَمْدِ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَٰلِكَ فِي الْمُشْحُودِ — رواه البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھ موندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جاتے تھے اور اسی طرح جب رکوع سے

اٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے اور کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ"

ربنا اللہ الحمد" اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں ہاتھ اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے، اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے۔ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن انورؓ اور وائل بن حجرؓ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے جس کی حضرت ابن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحت نفی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے اور مالک بن انورؓ اور وائل بن حجرؓ کے اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے وقت ادا اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں کہ آپ سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایسا آپ نے کبھی بھی کیا جس کو مالک بن انورؓ اور وائل بن حجرؓ نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمرؓ نے اتفاق سے نہیں دیکھا اسلئے اپنے علم کے مطابق انھوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپ کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

(۱۳۶) عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَلَا أُصَلِّيْكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْ قَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَاهُ فِي أَقْوَلِ مَسْجِدٍ

رواہ الترمذی و ابی داؤد و النسائی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی منسا از پڑھاؤں! یہ کہہ کر انھوں نے جیس نماز پڑھا لی، اس نماز میں انھوں نے بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) رفع یدین کیا، اس کے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صفت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں، انھوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور بسکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھا لی، اور اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعائی یا اکثری معمول نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن مسعودؓ جو آپ کے قریب صفت اول میں کھڑے ہونے والوں میں تھے اس سے یقیناً واقف ہوتے، اور تسلیم کے اس موقع پر رفع یدین ہرگز ترک نہ کرتے۔

ان سب حدیثوں کو سامنے رکھ کر ہر نصف صاحبِ علم اس نتیجے پر پہنچے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نماز میں رفع یدین کا بھی رہا ہے اور ترک رفع یدین کا بھی۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ پوری نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے ایسا بھی ہوتا تھا کہ تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے، اور شاید وہ انداز ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ نے آپ کی نماز

کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدے سے یہ سمجھا کہ نمازیں اصل ترک رفع یدین ہے، اور حضرت ابن عمرؓ جیسے بہت سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اصل رفع یدین ہے۔ پھر رائے اور فکر کا یہی اختلاف تابعین اور بعد کے اہل علم میں بھی رہا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی مندرجہ بالا حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اور حسب عادت یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں دیگر صحابہ کرام سے بھی رفع یدین کی تائید روایت کی گئی ہیں لکھا ہے کہ: —————

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ اسی کے قائل ہیں یعنی انھوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں اور فلاں حضرات اسی کے قائل ہیں۔“

اس کے بعد ترک رفع یدین کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد اور اسی مضمون کی براہین عازب کی ایک دوسری حدیث کا حوالہ دینے کے بعد امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ: —————

”متعدد صحابہ اسی کے قائل ہیں اور انھوں نے ترک رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں فلاں حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔“

الغرض آئین بالجمہ اور آئین بالستر کی طرح رفع یدین اور ترک رفع یدین بلاشبہ دونوں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور صحابہ کرام کے صحیحان ترجیح و اختیار میں اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے غور و فکر، اپنے دینی وجدان و ادراک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے مطالعہ و تجزیہ کی بنا پر یہ سمجھا کہ نمازیں اصل ترک رفع یدین ہے، اور رفع یدین جب ہوا ہے وقتی اور عارضی طور پر ہوا ہے۔ حضرت

ابن مسعودؓ جیسے صحابہ کرام نے یہی سمجھا اور امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہ ائمہ نے اسی کو اختیار کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ دو سکے بہت سے صحابہ کرام نے اسکے برعکس سمجھا، اور حضرت امام شافعی اور امام احمد وغیرہ نے اس کو اختیار کیا، اور رائے کا یہ اختلاف بھی صرف فضیلت میں ہوا، رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مستلزم ہے۔

اللہ تعالیٰ غلو اور مانع صافی سے حفاظت فرمائے، اور اتباعِ حق کی توفیق دے۔



رکوع و سجود

نماز کیا ہے؟ — اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طیسقے پر اپنی بندگی و نیاز مندی کا اظہار اور اُس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور ذلتی کا مظاہرہ — قیام و قعود اور رکوع و سجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے اُس سب کی روح یہی ہے، لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا منظر نماز کے اعمال و اجزاء میں رکوع و سجود ہیں — سر اُٹھا رکھنا، بکتر یعنی برتری و بالا تری کے ہمسایہ کی علامت ہے، اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے اور اپنے کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل اور جوہرِ خالق و مالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضا میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے، اس لحاظ سے رکوع و سجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھٹی طرح اور صحیح طیسقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے، اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس یا اُس کے حضور میں دُعا کرنے کی اپنے ارشادِ اعلیٰ سے تلقین فرمائی ہے۔

اس تہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے :-

رکوع و سجود چھٹی طرح ادا کرنے کی تاکید: —

(۱۳۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ اَلَا نَهَارِي قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْزِي صَلَاةَ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ —

رواہ ابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی (یعنی پوری طرح ادا نہیں ہوتی) جب تک کہ وہ رکوع اور سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۱۳۹) عَنْ طَلْقِ بْنِ عَطِيٍّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيمُ فِيهَا صَلَاتَهُ بَيْنَ خُشُوعِهَا وَتُسْجُودِهَا — رواہ احمد

حضرت طلق بن عطفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ رکوع اور سجود میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ

اس کی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں — (مسند احمد)

(تشریح) نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اس کے نزدیک قابل قبول نہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے۔ — ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

(۱۴۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا تَعْتَدُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطُ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ إِلَّا تَبَسَّطَ
الْكُلْبُ ————— رواه البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ سجدہ اعتدال کے ساتھ کرو اور کوئی اپنی بائیں سجدے میں اس طرح نہ بچھاوے
جس طرح کتا زمین پر بائیں بچھا دیتا ہے۔ ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کے ساتھ کیا جائے ایسا
نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھالیا۔ اور بعض شراعتین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے
کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح ہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے۔ دوسری ہدایت
اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ
کے کی مثال آپ نے اس واسطے دی کہ اس کی شناخت اور قباحت ابھی طرح مساعین کے
ذہن نشین ہو جائے۔

(۱۴۱) عَنِ ابْنِ عَزِيزٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَيْكُمْ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَخَضَعْ كَعْبَيْكَ وَادْفَعْ مِرْفَقَيْكَ —————
رواہ مسلم

حضرت ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کھنکھیاں دپڑاؤ۔
————— (صحیح مسلم)

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ الْثَنِّيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَخَرَجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى
يَبْدُوَ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ ————— رواه البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح کھولتے تھے یعنی پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آسکتی تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۴۳) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَصَحَّ رُكْبَتَيْهِ قَبَلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبَلَ رُكْبَتَيْهِ۔ رواہ ابو داؤد

والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنوں زمین پر رکھتے تھے اور جب آپ سجدے سے اٹھتے تھے تو اس کے برعکس اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ۔

(۱۴۴) عَنْ إِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَغْطِ بِرُكْبَتَيْهِ وَالتَّيْبَابِ وَالشَّعَرِ۔ رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضا پر سجدہ کروں (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں)۔ پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ اور یہ (بھی حکم ہے) کہ

ہم اپنے پٹروں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبد العزیز کے متعلق فرمایا کہ :- اس جوان کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اسکے بعد ہم نے عمر بن عبد العزیز کے رکوع و سجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً دس دفعہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکوع و سجود میں تقریباً دس دس دفعہ تسبیح کہتے تھے، اسلئے بہتر یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دس دفعہ تسبیح پڑھا کرے۔

مندرجہ بالا تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجدے میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت و تلقین فرمائی، اور یہی آپ کا معمول بھی تھا لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح و تقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دُعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ آگے درج ہونیوالی حدیثوں سے معلوم ہوگا :-

(۱۳۸) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ
الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں کہتے تھے، - سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ (نہایت پاک اور مقدس و منزہ ہے پروردگار ملائکہ کا اور روح کا)۔

(صحیح مسلم)

(۱۳۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْثُرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَا أَوَّلَ الْقُرْآنِ۔۔۔

رواہ ابی داؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے :- سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي (اے اللہ! ہمارے رب ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اے اللہ! میری مغفرت فرما)۔ آپ (یہ کلمات کہہ کے) قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخری لفظ ”یتاَوَّلُ الْعِزَّانَ“ کا مطلب یہ ہے کہ سورہ اِذَا جَاءَ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ حکم دیا گیا تھا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ (آپ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں) اس حکم کی تعمیل میں آپ ان کلمات کے ذریعہ رکوع اور سجدے میں بھی اللہ کی حمد و تسبیح اور اس سے استغفار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ سورہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ کے نزول کے بعد نماز کے علاوہ بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کے جامع کلمات بکثرت جاری رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اقتدا اور پیروی ہم سب کو نصیب فرمائے۔

(۱۵۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْعِزَّانِ فَأَلْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنٍ قَدِ امْيَهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مُنْمَوَّتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَمُعَافَاتِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى

نفسیاتی

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :- ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اُندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوؤں پر پڑا، اُس وقت آپ سجدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے :- **اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ** (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضا مندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری نرس سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثنا و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے)۔

(صحیح مسلم)

(۱۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةً وَجَلَّةً وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَا نِيَّتَهُ** وَسِرَّةً

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے :- **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ** (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) بعض قرائن کی بناء پر بعض علمائے اُمت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجدوں میں یہ دعائیں آپ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی فرض نمازوں میں بھی

بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں سب کے ساتھ کبھی کبھی یہ دعائیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ خاص کر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع و سجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

رکوع و سجود میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے :-

(۱۵۲) عَنْ إِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْرَهِي أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ نَكَاحًا أَوْ سَاجِدًا فَأَمَّا الزُّكُوءُ فَعَظُمُوا فِيهِ الرَّبُّ وَأَمَّا الشَّجْوَةُ فَاجْتَهِدُوا فِيهِ لِلَّهِ عَاءٍ فَقَسَّ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ۔

رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک اور پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو، اور سجدے میں دعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے لیکن اس کا محل قیام ہے، اور کلام الہی و فرمان خداوی کے شایان یہی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شاہی فرمین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع

وہ جو دے کے لئے یہی مناسب ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سرفراہی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا و استغفار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مدتِ عمر یہی رہا، اور اس حدیث میں آپ نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیثیں اور پرکڑ چکی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے، اور اسی کے مطابق خود آپ کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے۔ — اور یہاں اس حدیث میں آپ نے سجدے میں دُعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دُعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اس کے محامد اور کمالات کے گیت گائے۔ ہماری اس دُنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اس طرح مانگتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی دُعا کا ایک طریقہ ہے، اور اسی بنا پر ایک حدیث میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کو فَضْلُ اللّٰہ کا کہا گیا ہو۔ (جامع ترمذی) اس لحاظ سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی بھی ایک دُعائیہ کلمہ ہے، اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اُس کا سجدہ بھی دُعا سے شمال نہیں ہے۔ لیکن سجدے کی جو دُعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں (جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہیں) ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے ان کی شان کچھ اور ہی ہے۔

سجدہ کی فضیلت:

(۱۵۳) عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ بَدَ خَلِئِي اللَّهُ بِهِ أُنَجَّتَهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَٰلِكَ

قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَلِكَ، قَالَ فَأَعِيتِي عَلَى
نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ ----- ردوہم

ربیع بن کعب سلمی (جو اصحابِ صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ:-
میں ایک رات کو حضور کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں تھا (جب آپ تہجد کے لئے
رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لیکر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے
دستِ راست اور انبساط کے ایک خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا:- "ربیعہ کچھ مانگو" (آپ کا
مطلب یہ تھا کہ تمھارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اسوقت مانگو
میں اللہ تعالیٰ سے اُس کے لئے دعا کروں گا) اور اُمید ہے کہ وہ تمھاری مُراد پوری کر دیگا۔
ربیعہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا:- میری مانگو یہ ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو۔
آپ نے فرمایا:- "ہی" یا اسکے سوا کچھ اور؟ میں نے عرض کیا:- میں تو بس یہی مانگنا چاہتا
آپ نے فرمایا:- تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) مقربینِ بارگاہِ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ
اس وقت رحمتِ حق متوجہ ہے اور جو کچھ مانگنا چاہئے اُمید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔
بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ بن مالک کی خدمت
سے متاثر ہو کر اُن سے فرمایا کہ "سَلِّ" (جس چیز کی تمھیں چاہت ہو وہ مانگو) غالباً وہ کوئی
ایسی ہی گھڑی تھی لیکن جب انھوں نے اسکے جواب میں "جنت میں حضور کی رفاقت" مانگی،
اور مدد دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ:- "مجھے تو بس یہی چاہئے اسکے سوا کچھ نہیں" تو اپنے اُن سے
فرمایا کہ:- "فَاعِيتِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ" (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو
سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری

زفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے علی کو شمش کر دو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہنچانے میں خصوصیت کے ساتھ مددگار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو، اور اپنے عمل سے میری دعا کو قوت پہنچاؤ۔
 واضح ہے کہ حضرت ربیعہؓ کی اس حدیث اور اس سے اوپر والی حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں کثرتِ سجدوں سے مراد نمازوں کی کثرت ہے، لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زفاقت کے حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان و اجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے اسلئے بجائے کثرتِ صلوٰۃ کے کثرتِ سجدہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

قومہ اور جلسہ:

رکوع اور سجدے کے درمیان قومہ کا حکم ہے اور اسی طرح ایک رکعت کے دو سجدوں کے درمیان جلسہ شروع ہے، ان دونوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپ کا معمول ذیل کی حدیثوں میں پڑھئے :-

(۱۵۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعْمَلُوا أَلَلَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ————— رواه البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) کہے سمع اللہ لمن حمد (اللہ نے سنی اُس بندہ کی جس نے اُس کی حمد کی) تو تم (مقتدی لوگ) کہو اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

(اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے ساری حمد و شائش ہے) تو جس کا کہنا ملائکہ کے کہنے کے موافق ہو گا اسکے پچھلے سامنے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) نماز باجماعت میں جب امام رکوع سے اٹھتے ہوئے سَمِعَ اللہَ لَمِنَ حَمْدِکَ کہتا ہے تو اللہ کے فرشتے بھی اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَلْحَمْدُ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ اس موقع پر وہ بھی یہی کلمہ کہہ کریں اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ کلمہ فرشتوں کے کلمہ کے موافق اور مطابق ہوگا، اس کلمہ کی برکت سے اُن کے پچھلے قصور معاف ہو جائیں گے۔ موافق اور مطابق ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ بالکل ان کے ساتھ ہو آگے پیچھے نہ ہو۔ واللہ اعلم

یہ بات اس معارفِ احمَدیث کی سلسلہ میں بار بار لکھی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی خاص عمل کی برکت سے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سُنائی جاتی ہے اُس سے مراد عموماً صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ کبار کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معافی اصولی طور پر تو بے سے واجبہ ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ جس کے چاہے مجھ اپنے کم سے بخش دے۔

(١٥٦) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْفَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ ظَهْرَهُ مِنَ الزُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهَ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ زَيِّنَّا لَكَ الْحَمْدَ وَمِلَأَ السَّمَوَاتِ وَمِثْلَ الْأَرْضِ وَمِثْلَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ ————— رواه مسلم

حضرت عبداللہ بن ادنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے :-

سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللہ نے سنی اُس بندہ کی جس نے شکر ادا کیا

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
 صَلَاةُ السَّمْعَوَاتِ
 وَالْاَرْضِ
 وَمِثْلُ مَا شِئْتَ
 مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ
 اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لئے ساری
 حمد و ستائش ہو اتنی کہ جس سے زمین و آسمان
 کی ساری وسعتیں بھر جائیں و زمین و آسمان
 سے ہر گئے جو سلسلہ وجود تیری مشیت میں ہے
 اُس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے قوس میں
 یہی دعا کچھ اور اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سمعہ اللہ لمن حمد کے بعد کبھی صرف اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہتے تھے اور کبھی اس کے
 ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی
 اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے
 اور اسی واسطے کبھی بھی آپ کا قوسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شہہ ہونے لگتا تھا جیسا
 آگے درج ہونے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم

(۱۵۷) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ وَرَأَى النَّبِيَّ
 صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ التَّوَكُّعَةِ قَالَ
 سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَأَى رَجُلًا وَرَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ
 حَمْدًا أَكْثَرُ مِنْ حَمْدِ الْمَلَائِكَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مِنَ الْمُنْتَكَلَمَةِ
 "إِنَّمَا قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَتَّبِعُونَ
 نَبَاهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلًا"

رواہ البخاری

حضرت رفاع بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا

سمع الله لمن حمدن تو آپ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا :-

رَبَّنَا ذَلِكِ الْحَمْدُ حَمْدُ أَكْثَرِ نَاسٍ لِّهِ جَاءَ رَبَّكَ بِهِيَ كَيْلُ سَائِرِ خَلْقٍ
خَلْقِنَا مُبَارَكًا فِيهِ ————— بہت زیادہ حمد بہت پاکیزہ اور مبارک حمد۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا :- اس وقت یہ کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے کہا کہ :- میں نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا :- میں نے تیرے سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث میں اس کلمہ رَبَّنَا ذَلِكِ الْحَمْدُ حَمْدُ أَكْثَرِ نَاسٍ کے کہنے کیلئے تہنیت سے زیادہ فرشتوں کی جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا خاص سبب غالباً اس بندہ کے دل کی وہ خاص کیفیت تھی جس کیفیت سے اسے اللہ کی حمد کا یہ مبارک کلمہ کہا تھا۔ واللہ اعلم

(۱۵۸) عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ الشَّيْخَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السُّجُودِ تَابِنِ رَبِّ اغْفِرْ لِي

رواہ النسائی والدارمی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کہا کرتے تھے :-

”رَبِّ اغْفِرْ لِي“ (اے اللہ میری مغفرت فرما)

(سنن نسائی مستدراری)

(۱۵۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الشَّيْخُ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السُّجُودِ تَابِنِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي
وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي ————— رواہ ابوداؤد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں سجدوں کے درمیان یہ دُعا کرتے تھے: اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما،
مجھے ہدایت کی نعمت سے نوازا، مجھے معاف فرما، اے اور میری روزی کی کفالت فرما۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۱۶۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَامَ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَوْفَعَتْهُ
يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتَّى يَقُولَ قَدْ أَوْفَعَتْهُ۔

رواہ مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمد کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے نہ ہتے کہ
ہم کو خیال ہوتا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اٹھنے کے بعد
دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپ کا
قوم اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابہ کرام کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی
معلوم ہو گیا کہ ایسا کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی، ورنہ اگر روزِ روز کا
معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ کبھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قوم اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے منقول وراثت میں ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں
البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو تو حضورؐ کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا کاغذ رکھنا چاہیے
کہ اس کا طرز عمل مقتدیوں کے لئے رجحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام :

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں اس کے آخری اجزاء ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اور اس کو قعدہ اولیٰ کہتے ہیں، لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قعدہ فرماتے تھے، اور اس میں کیا پڑھنے کی آپ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کس طرح نماز ختم کرنی چاہئے۔

قعدہ کا صحیح مسنون طریقہ :

(۱۶۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ أَصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَيَكْفُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ بِأَسْطِهَا عَلَيْهِمَا۔

رواہ مسلم

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشت شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بائیں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر ہی دماز ہوتا تھا (یعنی اُس سے

آپ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے: ————— (صحیح مسلم)
 (تفسیر فتح) قعدہ میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلاشبہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی
 اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کی شہادت دے گا ہو
 اُس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے
 بھی اس کی شہادت دی جا رہی ہو، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات
 میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے اس اشارے کے ساتھ آپ آنکھ سے بھی اشارہ
 فرماتے تھے: — وَأَتَّبِعَهَا بَصَرًا ————— اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے اس اشارہ
 کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے: —

لَهِیَ اَشَدُّ عَلٰی الشَّیْطَانِ انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کیلئے
 مِنْ اَحْسَنِیْنَ ————— دوسے کی دھاردار چھری اور تلوار سے زباؤ
 (مشکوٰۃ بحوالہ المسند احمد) مشکوکہ وہ ہوتا ہے۔

(۱۶۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنََّّهُ كَانَ يَرَى
 عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَكِعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا اجْلَسَ فَفَعَلَتْهُ
 وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السَّيِّئِ فَتَهَيَّأَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ
 وَقَالَ لَكُمْ سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُسْخَى
 وَتُثْبِتَ الْيُسْرَى فَقُلْتُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ
 رِجْلَايَ لَا تَحْتَمِلَانِي ————— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ
 اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں زیر عنوان ”نماز کس طرح پڑھی جائے“ حضرت ابو حمید
 ساعدیؓ کی وہ روایت مذکور ہو چکی ہے جس میں آخری قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
 ایک دوسرے طریقے پر بیٹھنا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کو ”تَوَرُّک“ کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں
 ائمہ اور شارحین حدیث کے مختلف نقطہ ہائے نظر کا بھی وہیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

قعدہ اولیٰ میں اختصار اور عجلت :

(۱۶۳) عَنْ حَسْبِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كَانَهُ عَلَى الرَّكْعَتَيْنِ كَأَنَّهُ يَقُومُ
 رواه الترمذی والنسائی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے (یعنی قعدہ اولیٰ فرماتے تھے تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے)
 جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دواوی طرزِ عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدہ اولیٰ میں
 صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد :

(۱۶۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ كَيْفِي بَيْنَ كَفْيَيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ
 مِنَ الْقُرْآنِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا

وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ
أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

رواه البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا)۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الصَّالِحَاتِ وَالْعَلَّيْنَا ت (ترجمہ) اے تعظیم اور اظہار نیاز کے سائے کلمہ اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں)۔ تم پر سلام ہو نے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی موجود برحق ہے)۔ اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔

(مصحح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے اُس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اُسی خاص اخص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کچھ سورت کی تعلیم دیتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی، اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعود کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کر کے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مستد احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے

عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔
 تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت
 عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک لفظوں کا
 بہت معمولی سا فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے
 حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایات بھی صحیح ہیں اور
 ان میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

بعض شراحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بارگاہ قدوسیت میں شرف حضورؐ نصیب ہوا تو آپؐ نے نذرانہ
 عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی۔

الْحَيَّاتُ لِلَّهِ وَالْمَلَكُوتُ وَالطَّيِّبَاتُ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

آپؐ نے جواباً عرض کیا :-

السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ

اُس کے بعد (عہد ایمان کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا :-

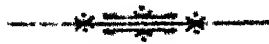
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

ان شراحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کی یادگار کے طور پر جوں کاتوں
 لے لیا گیا ہے اور اسی وجہ سے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ میں خطاب کی
 ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
 سے مروی ہے کہ تشہد میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ ہم حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں

اس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم بجائے اس کے **السَّلَامُ عَلَیْكَ** کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا) یعنی **السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی بطور یاد گار اُسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، اور بلاشبہ اربابِ وق کیلئے اس میں ایک خاص لطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغہِ خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مصلحت سے نہایت ہی کورہِ وق اور بی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی نا آشنا ہیں۔



دُرود شریف

دُرود شریف کی حکمت :-

انسانوں پر خاص کر اُن بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اُس نبی و رسول کا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ اُمت محمدیہ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملی ہے، اس لئے یہ اُمت اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنون احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک و پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اُس کے پیغمبروں کا حق ہے اُن پر دُرود و سلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اُن کے لئے مزید رحمت و رافقہ و رفیع درجات کی دُعا کی جائے۔۔۔۔۔ دُرود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ دُرود اصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور مثنویت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے، نہ نہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دُعاؤں کی کیا احتیاج یا دشواری کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!۔

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے، اور ہماری اس دُعا و التجا کے حساب میں بھی اُن پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ

ہوتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ اس دُعا گوئی اور اظہارِ فاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک دفعہ کے مخلصانہ دُرود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے سہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ ————— یہ ہے دُرود و سلام کا راز اور اسکے فوائد و منافع۔

دُرود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے :-

اسکے علاوہ ایک خاص حکمت دُرود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر دُرود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دُعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقام عالی پس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دُعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے اور جبریل ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں نہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہر حال دُرود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رُسلوں کا دُعا گو بنا دیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دُعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں دُرود و سلام کا حکم :-

اللہ تعالیٰ نے رُسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود و سلام بھیجنے کا حکم سورہ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ
عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اصْلُوا عَلَيْهِ وَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ
اللَّهُ تَعَالَى كَاخَاص لُطْفٍ وَكَرَمٍ هُوَ اءِ
اُسكے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں ان
نبی پر، اے ایمان والو تم بھی دُرود سلاؤ
(احزاب - ۷۷) بھیجا کرو ان پر۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بالکل اس طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں صحابہ
اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن جس طرح
نور نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح
کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے، کہ جب تَسْبِيْحُ بِاسْمِ
رَبِّكَ الْعَظِيمِ اور سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ اَلَا عَلٰی آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے
بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اور سجدہ میں
سُبْحَانَ رَبِّيَ اَلَا عَلٰی پڑھا جائے)۔

اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ احزاب
کی اس آیت (صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ) کے نزول کے وقت بھی صحابہ کرام کو
غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل موقع نماز کا جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔۔۔
اس بابے میں کوئی تصریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا
یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اس کو عرض کروں گا۔۔۔
اب حدیث پڑھیے!:

(۱۶۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ
أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ
فَقَالَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
حَمِيدٌ مُّجِيدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
حَمِيدٌ مُّجِيدٌ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیت و نوان میں سے ہیں) لاکھ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتادیا ہے کہ ہم تشہد میں اَللّٰهُمَّ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتادیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (دُود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا: یوں کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ ————— ”اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ان کے گھر والوں پر تو حمد و ستائش کا سنوار اور اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر تو حمد و ستائش کا سنوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔“

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابوسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل

کے گئے ہیں: —————

يَكْفُتْ نَصْلِي عَلَيْكَ إِذَا انْحَنَ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا؟
حضرت! ہم جب نمازیں آپ پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ صحابہ کا یہ سوال نمازیں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے: —————

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ شَعْرًا يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ شَعْرًا يَدْعُو لِنَفْسِهِ
آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اُس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہئے۔

بہر حال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سُوْرُ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اُس کے بارے میں صحابہ کرام کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر

۱۵۱ ابو مسعود انصاری کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہو لیکن اُس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اِذَا انْحَنَ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ۔
فی صَلَاتِنَا۔ ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(نوادری شرح مسلم ۵۱۱، فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ احزاب ۵۱۱، ۱۹)

۱۵۲ فتح الباری کتاب الرجوات باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۵۵۔ ۲۶۔ ۳

قعدہ اخیرہ ہے۔ اسکے بعد انھوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ دُرد کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، پس اُسی کے جواب میں آپ نے یہ دُرد اور اسی تہتین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

دُرد شریف میں لفظ آل کا مطلب: —

اس دُرد میں آل کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے ”گھر والوں“ کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورے میں کسی شخص کے ”آل“ اُن کو کہا جاتا ہے جو اُس کے ساتھ خاص ان خاص تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب و رشتہ کا ہو (جیسے اُس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و محبت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا (جیسے اُس کے مشن کے خاص ساتھی اور مختبین و متبعین)۔ اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کا معنی دونوں ہو سکتے ہیں لیکن آگے حضرت ابو حمید ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آل سے مراد آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور آپ کی نسل و اولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم

(۱۶۶) عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ الْوَايَا رَسُولُ اللَّهِ
كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قُولُوا — اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ

۱۔ امام راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:۔ وبتعمل فیمن یختص بالانسان
اختصاصاً ذاتیاً اما بقرباۃ قریبۃ او بموالاۃ قال عزوجل (وَالْاِبْرَاهِیْمَ وَالْاِسْمٰعِیْلَ) وقال (ادْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) ص ۲۰۰

وَذَرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ہم آپ پر صلوٰۃ (دُرود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔۔۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَذَرِّيَّتِهِ۔۔۔ اے اللہ! اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آلِ ابراہیم پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آلِ ابراہیم پر، اے اللہ! تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بڑائی والا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں دُرود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں، لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، علماء و فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دُرود نماز میں پڑھا جاسکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی والا ہے۔ اس حدیث میں بجائے آل کے اَذْوَا حِہِ وَذَرِّيَّتِہِ کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اُس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواجِ مطہرات اور ذریتِ طیبہ ہی مراد ہیں، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت و جزئیّت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف اُن کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگرچہ وہ مرتبہ میں اُن سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح دُرود و سلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے، اور گویا یہ ان کی خاص سعادتی ہے، اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواجِ مطہرات وغیرہ امت میں سب سے افضل ہوں۔

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ اہل عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں تو ان کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، اور فطری طور پر وہ اس کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے استعمال کریں۔ اگرچہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہوں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبتیں و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں۔ بس درود و سلام بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز کی بیشی کا نذرانہ ہی، اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور فضیلت کی خالص کلامی اور قانونی بحث اٹھانا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت :-

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربارِ عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے اور آپ کی زندگی کی شریک ازواجِ مطہرات اور آپ کی ذریتِ طیبہ کے لئے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبہٴ ممنونیت کا اظہار اور احسانِ مندی کا حق ادا کر سکے۔

اسی کے لئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے۔ یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لئے صرف انہی دو حدیثوں پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابل ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ ”کتاب لہ عوات“ میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور مندرجہ بالا درود ابراہیمی کے علاوہ ”صلوٰۃ و سلام“ کے جو اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دُعا: —————

ابھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ:- نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اسکے بعد دُعا کرے، بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دُعا کا یہ حکم غالباً اُس وقت بھی تھا جبکہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: —————

نَقَرُ لِيَمَّحُذَ أَحَدُكُمْ
مِنَ الدُّعَاءِ أَنْجَبَهُ إِلَيْهِ
فَيَسْتَعُوذُ بِهِ
یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دُعا
اُسے اچھی معلوم ہو اُس کا انتخاب کر لے،
اور اللہ سے وہی دُعا کرے۔

اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دُعا کی جائے) آج کے درج ہونے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

کی حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

بہر حال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم بھی ثابت ہے اور عملاً بھی، اور اس موقع کے لئے آپ نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائی ہیں۔
اس سلسلہ کی صرف تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ الشَّهَادَةِ لَا خَيْرَ فَلَيْتَعَوَّذَ بِاللَّهِ مِنْ أَدْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْحَيَاةِ الْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ۔

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جبکے کسی نے آخری شہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ چار چیزوں کے اللہ کی پناہ مانگے۔ (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کی آزمائش سے اور (۴) دجال کے شر سے۔ (صحیح مسلم)

(۱۶۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا لَدَعَاءِ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ قُولُوا «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْحَيَاةِ الْمَمَاتِ

رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم

تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ کہو:۔ اَللّٰهُمَّ رَافِعِ اَعْوَدُ دُبَاكَ۔۔۔ یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے، اور پناہ مانگتا ہوں عذابِ قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں وصال کے فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) یہ دُعا جیسے کہ ظاہر ہے دنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بد بختیوں حفاظت کے لئے بڑی جامع دُعا ہے۔ اس میں سب سے پہلے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابلِ تصور عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بد بختی ہے۔ اسکے بعد وصال کے فتنہ عظیم سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اسکے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی اخیل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس موقع کے لئے یہ دُعا تعلیم فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سندِ رجحان بالا حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا خاص موقع قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔۔۔۔۔ اسی دُعا کے بارے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نماز میں یہ دُعا مانگا کرتے تھے، بلکہ اس میں سندِ رجحان بالا دُعا کے بالکل آخر میں یہ اضافہ بھی ہے:۔۔۔۔۔

اَللّٰهُمَّ رَافِعِ اَعْوَدُ دُبَاكَ
لِے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ
مِنَ الْمَآثِمِ وَمِنَ الْمُعْثَمِ۔۔۔ کی ہر بات سے، اور قرض کے بارے۔

بہتر ہے کہ یہ دُعا اسی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

(۱۶۹) عَنْ اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّیقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ

يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔۔۔ عِلْمِي دُعَاءٌ اَدْعُو بِهِ

فِي صَلَاتِي قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا
كَبِيرًا وَاَوْلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً
مِّنْ عِنْدِكَ وَاَرْحَمِنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور سے عرض کیا۔
یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمائیے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو آپ نے
ارشاد فرمایا:۔ یوں عرض کیا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي
(اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے [یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت کچھ
تباہ و برباد کیا ہے] اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا۔
پس اے میرے اللہ! تو مجھ اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر
رحم فرما اور جس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی
ذاتی صفت ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں یہ تو صراحت مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی لیکن یہ بات
غفلتوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، مگر
شراح میں حدیث نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا وہی خاص محل و موقع ہے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع کے لئے فرمایا تھا کہ: "تہنید کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ
سے مانگنے کے لئے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہی اللہ تعالیٰ سے مانگے" (جیسا کہ
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیحین والی حدیث سے بھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اس لئے
ظاہر یہی ہے کہ... .. صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لئے تعلیم کی درخواست
کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ان کو اسی موقع کے لئے تعلیم فرمائی۔

غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ حدیث ”باب لما قبل السلام“ کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دُعائیں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بار بار حقیقت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً اُمت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی نماز پوری اُمت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض میں ان کو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں، وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں نمازیں (یعنی اسکے خاتمہ پر سلام پہلے) اللہ سے مانگا کروں!۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے جواب میں ان کو یہ دعا تعلیم فرماتے ہیں — گویا آپ نے ان کو بتایا کہ اے ابو بکرؓ! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ دوسو سہ زکے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک تصور وار اور خطا کا قرار دیتے ہوئے اُسکے سامنے اپنی گناہ نگاری کا اقرار کرو اور اُس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیجک مانگو، اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفتِ مغفرت و رحمت کا بس صدقہ مجھ گناہ نگار کو عطا فرمائے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور رُود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دُعائیں ضرور مانگنی چاہئیں — ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھالنا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے قہور سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے — بڑی پے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

خاتمہ نماز کا سلام: ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لئے کلمہ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمہ افتتاح نماز کے لئے سوچا ہی نہیں جاسکتا — اسی طرح اسکے اختتام کے لئے ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تَلْقِیْنِ“ فرمایا ہے اور بلاشبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جاسکتا — ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اُس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو، لہذا اختتام کے لئے ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ آگے تبرکہ کے جب نماز میں داخل ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرضِ محروص شروع کرے تو چاہیئے کہ وہ اس وقت اس عالمِ شہود سے حشی کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اسکے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے — پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشهد اور دو شریفین اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کر لے تو اس کے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دُنیا میں داخل ہونے کا ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اس لئے اب وہ ان کی طرف رخ کر کے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے: —

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد سلام سے متعلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

(۱۷۰) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَمَقَاتِحُ الصَّلَاةِ الظُّهُورُ وَخَرْنِمُهَا التَّكْبِيرُ وَخَلِيلُهَا التَّسْلِيمُ

رواہ ابو داؤد و الترمذی و الدارمی و ابن ماجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طہارت (یعنی وضو) نماز کی گنجی ہے اور اس کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے اور اس کی بندشیں کھولنے کا ذریعہ السلاّم علیکم ورحمۃ اللہ کہنا ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی، مسند ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں :

(۱) اول یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور با وضو ہونا اس کی گنجی یعنی اس کی مقدم شرط ہے اس کے بغیر کسی کے لئے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اللہ اکبر ہے، اس کے کہنے ہی سے نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام جنکی اجازت تھی وہ بھی ختم نماز تک کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس کو ”تکبیر تحریمہ“ کہتے ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز و مباح چیزیں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اس کے لئے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ السلاّم علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔

(۱۷۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ ابْنِ وَقَاصٍ قَالَ كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ يَسَارِهِ حَتَّى أَرَى

بَيَاضَ خَدَّيْهِ

رواہ مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا تھا کہ آپ سلام پھیرتے وقت دائیں جانب اور بائیں جانب رخ فرماتے تھے اور چہرہ مبارک کو دائیں جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم

خدا رب العالمین کی غفیر کی غفیر دیکھ لیتے تھے۔ (صحیح مسلم)
 (تشریح) یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ منن اربعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
 اور منن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دعا:

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگتے تھے یا
 جن دعاؤں کی آپ نے اس موقع کے لئے تلقین فرمائی ہے ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے
 اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں
 آپ نے اُمت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔
 (۱۶۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ
 أَمْسَحُ قَالَ جَوِّفُ اللَّيْلِ لَا يَجْرُدُ بُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو امام باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے پوچھا گیا کہ: حضرت! کون سی دعا زیادہ سُنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ
 قبول ہوتی ہے؟)۔ آپ نے فرمایا:۔ آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں)
 جو تہجد کا وقت ہے) اور فرض نمازوں کے بعد۔ (جامع ترمذی)

(۱۶۳) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مَعَاذُ
 فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَا تَكْذِبْ عَنِّي أَنْ
 تَقُولَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ أَعِزَّنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ
 وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی

ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دیوے کوئی اُسے دے سکتے ہیں اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اُسے دے سکتے والا نہیں اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحبِ جاہ و عظمت بھی ہر آن تو بڑے کریم کا محتاج ہے)۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(۱۶۶) عَنْ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ عَلَى هَذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ فِي دُبْرِ الصَّلَاةِ وَالصَّلَوَاتِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَعْبُدْ إِلَّا إِيَّاهُ إِنَّ النِّعَمَةَ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشُّعَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

رواہ مسلم

ابو الزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے: — لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ ... الخ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکیتا ہے، اس کا کوئی شریک اور سا بھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اُسی کی ہیں،

فضل و احسان اُسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اُسی کے لئے ہے، اُسکے سوا کوئی معبود
ہم پوئے اخلاص کے ساتھ اُسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ سکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) بغیرہ بن شعبہ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیر کی اس حدیث میں کوئی
منافات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپ سے نماز کے بعد اُس طرح سنا گیا اور کبھی اُس
جس نے جو سنا وہ نقل کر دیا۔ اس قسم کے اذکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے۔ وقت کی
گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جو جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

(۱۷۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيهِ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ
وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّبِعُهُ
بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ - اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ
وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُعْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَذْلِ الْعُسْرِ
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ -

— رواہ البخاری —

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوذ
کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد
ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگتا کرتے تھے۔ - اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
مِنَ الْجُبْنِ - الخ۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بُزدلی سے اور تیری پناہ
چاہتا ہوں بُخل کو جو کسی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکبی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے
جس میں جو اس اور توئی صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکم اور دوسروں کے لئے
بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔

(صحیح بخاری)

(۱۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي دُبُرِكُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ وَقَالَ تَمَامُ الْمُنَاسَكَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ عَفِرَتْ خَطَايَاهُ وَلَنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدٍ لَبْحُرٍ ————— رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ سبحان اللہ کہے، اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے، اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ سب ۹۹ کلمے ہوں گے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کہے: — لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ — تو اس کی سب خطائیں معاف کر دی جائیں گی، اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ان تینوں کلموں کا نمبر ۳۳، ۳۳، ۳۳ بتلایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ... پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ —

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دُعا اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے بعد فوراً اٹھ جاتے تھے۔ لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دُعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب اور تسلیم دیتے تھے۔

بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَام الخ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دُعائوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں انھوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے، اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دُعائوں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دُعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کا روئے معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجتہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ان تمام ماثور دُعائوں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں :-

”بہتر یہ ہے کہ یہ دُعائیں اور ذکر اسی کے یہ کلمے (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سنتوں سے پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے۔۔۔ اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے۔۔۔۔۔

ابھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سلام پھیرنے کے بعد صرف اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَام ۔ عکسے نے بقدر ہی بیٹھتے تھے، تو اس کی کئی توجہیں کی جاسکتی ہیں مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عذرا کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی مہیت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے، اسکے بعد نشست بدل دیتے تھے، اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) — اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَام ۔ .. اخ پرٹھ کے اٹھ جاتے تھے۔ اور ایسا آپ غالباً اسلئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے بھی معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور فاضل عبادت کا ہے۔

(فائدہ) سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں اور روایات کو روئیں ان سے یہ تو معلوم ہوگا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعائیں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں، جتنی کہ اگر کسی کو جلدی بتا کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا بُرا سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابلِ اصلاح ہے، امامت اور اقتدار کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے، اسلئے اسلام کے بعد دعائیں امام کی اقتدار اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیفیت کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

سُنّتیں اور نواہل

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رکنِ رکین اور لازماً ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رعیتیں پڑھنے کی ترغیب تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پھر ان میں سے جن کے لیے آپؐ نے تاکید فرمائی یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپؐ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا ان کو عرب عام میں ”سنت“ کہا جاتا ہے اور انکے ماسوا کو ”نوافل“ —————
 (نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو ”نوافل“ کہا گیا ہے)۔

پھر جن مُسْتَنَتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہر اُن کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اِعلیٰ کی خاص لُحَاصِ حُضُورِی ہے (اور اِسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اور مسجد میں ادا کی جاتی ہے، اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار کھیتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے، اور ملا اُعلیٰ سے ایک قُرب و مناسبت پیدا کر لی جائے)۔ اور جن مُسْتَنَتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اُن کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادا کی گئی میں جو تصور رہ گیا ہو اُس کا کچھ تدارک بعد والی ان مُسْتَنَتوں اور نفلوں سے ہو جائے۔ (بطورِ مِجْلَدِ الْمُعْتَرَض کے نہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں مُسْتَنَتیں یا نفلیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحتہً منع کیا گیا ہے، اُسکی

کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو انشاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی۔
 فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً: دن میں
 "چاشت" اور رات میں "تہجد" یہ مہل تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لیے ترقی اور شخص کا
 مخصوص نصاب ہے۔

اس مختصر تہجد کے بعد سنن و نوافل سے مطلق حدیثیں پڑھیں :-

دن رات کی مؤکدہ سنتیں :-

(۱۸۰) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَنْ صَلَّى فِي يَوْمِهِ وَلَيْلَتِهِ عَشْرَةَ رُكْعَةً بَنَى لَهُ بَيْتًا
 فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرُكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرُكْعَتَيْنِ
 بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرُكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرُكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ

(رواہ الترمذی) - - - - -

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے، اُس کیلئے
 جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے
 اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔

(جامع ترمذی)

(حضرت اُمّ حبیبہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے لیکن
 اُس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے)۔

(تشریح) اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سُنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون
 کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ: ”آپ ظہر سے پہلے گھر میں ۴ رکعت سُنت پڑھتے تھے اس کے بعد جا کر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرماتی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔“ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے ۴ رکعت کے ۲ رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

(۱۸۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ حِينَ يُطْلَعُ الْفَجْرُ — (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں اور فجر سے بیان کیا میری بہن اُم المؤمنین حفصہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے اکثر دو تیرے چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپ کے

ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سنت پڑھتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پراکتفا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سنتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملاً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اسلئے ان کو سنت ہو کہ وہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ نے فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت : —

(۱۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔
(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ فجر کی دو رکعت سنت دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سے زیادہ قیمتی اور کارآمد ہے۔ دنیا و ما فیہا سب فانی ہے اور ثواب آخرت باقی غیر فانی ہے۔ اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ شاہد انشاء ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

(۱۸۳) عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُنْ مِثْلَهُمَا وَإِنْ طَرَدَكَ كُفْرُ النَّحْلِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو
دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر
تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو)۔

————— (سنن ابی داؤد)

(۱۸۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ التَّوَافِلِ أَشَدَّ
تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتِي الْفَجْرِ ——— (رواہ البخاری و مسلم)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام
نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔

————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ فَلَيْسَ بِمُحِبِّهِ مَا بَعْدَ
مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ ——— (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اُس کو چاہیے کہ
وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سنن نوافل کی فضیلت :-

(۱۸۶) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعُ قَبَلِ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ

تَسْلِيمًا، ثُمَّ كَلَّمَتْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)
 حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں — جن کے
 درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں —
 اُن کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(۱۸۷) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 كَانَ إِذَا كَتَبَ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا -
 (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ نے
 نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ اُن کو ظہر سے فائز ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔
 (جامع ترمذی)

(تشریح) ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی
 چار رکعتیں آپ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

(۱۸۸) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ
 وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ -

(رواہ احمد و الترمذی ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے

اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) بعض شراحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ دوہری رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظہر کے بعد کو کدہ سنت تو صرف دوہری رکعت ہے لہذا چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان کو کدہ دو رکعت کے علاوہ مزید دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ (فائدہ) ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے، لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نفل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نفل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا نواب کھڑے ہو کے پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ملے گا۔

(۱۸۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْغُصُورِ أَرْبَعًا۔

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی رحمت اُس بندے پر جو پہلے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارے میں یہ آپ کا ترقیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

(۱۹۰) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ
يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ رَأَيْتُ
حَبِيبِي صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ
سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلَّيَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ
عُفِّرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ -
(رواہ الطبرانی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمار سے
روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ مغرب
کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور
فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے گناہ
بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔

(معجم طبرانی)

(تشریح) مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام حبیبہ
حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے
ان کے علاوہ ۴ رکعت فصل اور پڑھی جائیں تو ۶ ہو جائیں گی اور بندہ گناہوں کی
معفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

(۱۹۱) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّيَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْعِشَاءَ قَطًّا فَدَخَلَ
عَلَيَّ إِلَّا صَلَّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ - (رواہ ابو داؤد)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کے آرام فرمانے کے لیے میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ نے ۴ رکعتیں یا ۵ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) عشاء کے بعد دو رکعت تو سنت ہوگئی ہے جس کا ذکر حضرت ام حبیبہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی گزر چکا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد آرام فرمانے سے پہلے اس دو رکعت سنت ہوگئی کے علاوہ کبھی ۲ رکعت اور کبھی ۴ رکعت مزید تفصیل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم

وتر:

(۱۹۲) عَنْ خَارِجَةَ بِنْتِ حُذَافَةَ قَالَتْ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ آمَنَ كُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ لَوْ تَوَجَّعَلَهُ اللَّهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى أَنْ يُطْلَعَ الْفَجْرُ۔

(رواہ الترمذی والبوداؤد)

حضرت خاریجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کاشانہ نبوتی) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں مزید عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے لیے سُرُخِ اذُنوں سے بھی بہتر ہے (جس کو تم دنیا کی عزیز ترین دولت سمجھتے ہو) وہ نماز وتر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے واسطے نماز عشاء کے بعد سے طلوع صبح صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصے میں پڑھی جاسکتی ہے)۔
(جامعہ ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۹۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُثْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوُثْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوُثْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا

(رواہ ابو داؤد)

حضرت بريدہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ نے فرمایا: یہ نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تہدید کے یہ آخری الفاظ ہیں اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور کدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

(۱۹۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَامَ عَنِ الْوُثْرِ أَوْ لَيْسَ بِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ أَوْ اسْتَيْقِظَ

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اسکی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے تو اُسی وقت پڑھ لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۱۹۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوا الْخَوْصَ لَوْتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَثْرًا

(رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، رات میں اپنی آخری نماز وتر کہ بناؤ۔ (یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو)۔ (صحیح مسلم)

(۱۹۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوْ لَمْ يَمْ طَمَحَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذَلِكَ أَفْضَلُ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ نہ اُٹھ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کی گھنٹہ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لیے) آخر شب میں اُٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اسلئے کہ اس وقت کی نماز میں ملک کے دھمت حاضر ہوتے ہیں، اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے جو ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا، یعنی یہ کہ نماز وتر رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد اور یہ کہ جس کسی کو آخر شب میں اُٹھنے کے بارے میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے، اور جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی پڑھ لیا کرے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اُن کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے جو چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ: ”میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں!“

(۱۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قُبَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكُمْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُؤْتِرُ بِأَرْبَعٍ وَثَلَاثٍ وَسِتٍّ وَثَلَاثٍ وَثَمَانٍ وَثَلَاثٍ وَعَشْرٍ وَثَلَاثٍ وَلَكُمُ بِيَكُمُ يُؤْتِرُ بِأَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا يَأْكُثَرُ مِنْ ثَلَاثٍ عَشْرَةَ ————— (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن ابی قبیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ: چار اور تین اور چھ اور تین، اور آٹھ اور تین، اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے ————— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) بعض صحابہ کرامؓ تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انھوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قبیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد بھی پڑھتے چار رکعت پڑھتے تھے کبھی چھ رکعت بھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

وتر میں قرأت: —————

(۱۹۸) عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُوَيْهَرَ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ

يَا أَيُّ شَيْءٍ كَانَ يُؤْتِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟
 قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسْمِ اللَّهِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى
 وَفِي الثَّانِيَةِ يَقُولُ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ
 يَقُولُ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ - (رواه الترمذی والبداء)۔
 عبد العزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اُمّ المؤمنین حضرت
 عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 وتر میں کون کون سورتیں پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپ
 ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الْعَلَّی“ پڑھتے تھے، اور دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ
 اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور مُعَوَّذَتَيْنِ (یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ
 اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) وتر کی پہلی رکعت میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الْعَلَّی دوسری میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ
 اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابی بن کعبؓ
 حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات تیسری
 رکعت میں ”مُعَوَّذَتَيْنِ“ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ تیسری رکعت میں
 صرف سورۃ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ مُعَوَّذَتَيْنِ بھی۔ واللہ اعلم

قنوت وتر:

(۱۹۹) عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوُثْرَةِ اللَّهُمَّ
 اهْدِنِي فِي مَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِي مَنْ عَافَيْتَ وَكُوْلُنِي
 فِي مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِي مَا أَعْطَيْتَ وَفِي شَرِّ

مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ
مَنْ ذَاكَ الْيَتِيمَا ذَكَتَ رُبَّنَا وَتَعَالَيْتَ -

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ الدارمی)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت و تہیں پڑھتا ہوں
— اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْ مَنْ هَذِهِ يَتِ الْوَحْدَةِ — اے اللہ جن بندوں کو
تو ہدایت عطا فرمائے اُن کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو تو عافیت
(یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی) عطا فرمائے اُن کے ساتھ
مجھے بھی عافیت دے اور میرا ستولی اور کار ساز بن جاؤں بندوں کے ساتھ
جن کا تو کار ساز بنے اور مجھے برکت دے اُن تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے
اور اپنے فیصلوں کے اثرات برے میری حفاظت فرما، تو ہی سارے فیصلے
کرتا اور احکام جاری کرتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے
تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) تو برکت
اور تیری شان بلند ہے اے میرے مالک اور پروردگار۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) اس قنوت کی بعض روایات میں إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ ذَاكَ الْيَتِيمَا ذَكَتَ رُبَّنَا وَتَعَالَيْتَ کے بعد
”وَلَا يَجُوزُ مَنْ عَادَيْتَ“ بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے
تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں — اور بعض روایات میں تَبَّارَكَ
رُبَّنَا وَتَعَالَيْتَ کے بعد اَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ بھی روایت کیا گیا ہے۔
— یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری
طرف رجوع کرتا ہوں — اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد

اس درود کا بھی اضافہ ہے وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ (اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے اپنے نبی پاک پر)۔۔۔ اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ (اے اللہ کو امام ابن ابی شیبہؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ (اے اللہ کے ساتھ حضرت حسن بن علیؑ والی یہ قنوت اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْہِمْ حَہْدِیْتِ (اے بھی پڑھی جائے۔

(۲۰۰) عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
كَانَ یَقُوْلُ فِی الْاٰخِرِ وَتَرَدُّہٗ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ
سَخَطِكَ وَبِعَافَاۡتِكَ مِنْ عَقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ
لَا اُحِیْیُ بِنَآءٍ عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَنْشِیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ (اے اللہ میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، تجھ سے تیری ثنا صفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا صفت

بیان کی ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی بچائے پناہ نہیں بس

اُسی کی رحمت و عنایت اور اُسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ: "رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو بِهٖ دُعَاءَ بِنْتِ دُرَّةٍ كَيْ تَزُكِّيَ رُكْعَتَيْهَا" اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دُعا کرتے تھے اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے۔ اور مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دُعا کرتے تھے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دُعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دُعا کرتے ہوئے سنا تھا۔

بہر حال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔
(۲۰۱) عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ فِي لَيْلٍ قَالَ مُبَشَّاتِ الْمَلَائِكَةِ الْقُدُّوسِ۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی و زاد ماثل ترمذی طیل)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو کہتے تھے مُبَشَّاتِ الْمَلَائِكَةِ الْقُدُّوسِ۔
(سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے) — اور بعض روایات میں ہے کہ "وَيُوقَعُ صَوْتُهُ بِالْكَالِشَةِ" یعنی آپ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعت فضیل:

(۲۰۲) عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوُتْرِ كَعَتْنِ

(رواہ الترمذی و زاد ابن ماجہ خفیفین و ہجاس)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ
آپ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

(تشریح) وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ
کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو مامر نے بھی روایت کیا ہے۔

انہی احادیث کی بنا پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل
سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام اُمتوں کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے
حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے

آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں
مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں

آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ
کا معاملہ استثنائی ہے، یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کے لئے
کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا
ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ہو گا۔ واللہ اعلم

وتر کے بارے میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ”وتر رات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہئے“ وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

قیام لیل یا تہجد۔ اسکی فضیلت اور اہمیت :-

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے نکلنے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور اسوسی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اُٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور جمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا۔
 ”اِنَّ تَائِيْدَةَ اللّٰہِ حَتّٰی اَشَدُّ وْظَاوًا حَتّٰی اَخْوَمٌ قِيْلَ ر رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ ڈبانے والا اعلیٰ ہے اور اس وقت (دُعایا قرأت میں) جو زبان نے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے۔
 دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :-
 ”تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَحَا جِیْذِ غَوْنٍ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا“
 (ان کے پہلو) اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے [خوابگاہوں سے] الگ رہتے ہیں وہ اس وقت اپنے پروردگار سے اُمید و حیم کے ساتھ دُعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے

جس میں اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجود)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو ”مقام محمود“ کی اُمید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:-

”وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَ إِلَيْكَ رُبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“ (اور رات کی تہجد آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے [یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے] یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، اُمید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب ”مقام محمود“ پر فائز کرے گا)۔

”مقام محمود“ عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ”مقام محمود“ اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو اُمتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ ”مقام محمود“ میں کسی درجہ کی حصول کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شانِ رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف توجہ ہوتا ہے اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس تہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھئے!۔

(۲۰۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى نُلْتُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي

فَاُغْفِرْ لَهُ مَنْ ذَاكَ الْبَرُّ فَأُغْفِرَ لَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي
فَاُغْفِرْ لَهُ ————— (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبوتر اللہ تعالیٰ کی طرف سے
نے فرمایا، ہمارا مالک اور رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری
تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سارا دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد
فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اُس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے
منفرت اور خشم چاہے میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) سارا دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے
اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔
جس طرح یاد اللہ، وجہ اللہ اور استوئی علیٰ اعرش اور اسکے عام صفات و افعال
کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال
کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار و اعتراف ہی
علم ہے۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بانی میں اپنی نارسائی
اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے تشابہات
کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے۔
لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں
اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خود
اُن کو دُعا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے۔ جو بندے اس حقیقت پر
یقین رکھتے ہیں اُن کے لیے اس وقت بستر پر سوتے رہنا اُس سے زیادہ مشکل ہوگا
جتنا دوسروں کے لیے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت یحییٰ کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دُعا و سوال و استغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔

(۲۰۴) عَنْ عُمَرُو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْرَبُ مَا يَكُونُ النَّاسُ مِنَ الْعَبَسِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ إِلَّا خِرْفَانِ اسْتَطَعَتْ أَنْ تَكُونَ مَسْكَنَ يَدِ كُرْ اللَّهِ فِي تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ — (رواه الترمذی)

حضرت عمر بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم ان میں ہو جاؤ۔ — (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی اعلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان، اعضا سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

(۲۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ — (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے (یعنی تہجد)۔ — (صحیح مسلم)

(۲۰۶) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّ دَابَّ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ وَهُمْ
قَدْ سَلُّوا لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلْسَيِّئَاتِ وَمِنْهَا
تَبِينَ الْآيَةُ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- تم ضرور پڑھا کرو تہجد کیونکہ وہ تم سے پہلے
صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قُرب الہی کا خاص وسیلہ ہے
اور وہ گناہوں کے بُرے اثرات کو مٹانے والی اور معافی سے روکنے
والی چیز ہے (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیتیں ذکر فرمائی گئی ہیں :-
اول یہ کہ وہ ذوق قدیم سے اللہ کے نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے۔
دوسرے یہ کہ تقرب الہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے۔
تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کر ان کے اثرات کو مٹانے اور
معافی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے۔ حضرت
جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ اُن کے وصال کے بعد بعض
حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے حق
کیا معاملہ کیا؟۔۔۔ جواب میں فرمایا: تاہت العبادات وفنیت
الاشارات وما دفعنا الارکعات مہلینا ہافی جوف اللیل (یعنی
خفایق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات و اشارات میں کیا کرتے تھے
وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس وہ کہیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا
کرتے تھے)۔

۲۰۷. عَنْ الْمُغِزَّيَةِ بْنِ سَعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّعَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا أَوْ هَذَا غَيْرَ لَكَ مَا تَقْدَأَمُ مِنْ دَنِيكَ وَمَا تَأْخَرُ قَالَ أَخْلَاهُ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔۔۔۔۔ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپ کے قدم مبارک ہلکے ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرنے ہیں جبکہ آپ کی اگلی پچھلی ساریں تقصیر میں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بات میں مطمئن بھی کر دیا ہے) ۹۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تو کیا میں (اُس کے احسانِ عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں (اور اُس پر گزاری میں اُس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بآئینہ آپ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اسکے کہ آپ کا چلنا پھرنا حتیٰ کہ سونا بھی کارِ ثواب تھا لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔۔۔ اس میں آپ کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابتِ رسول کے مدعیوں کے لیے بڑا سبق ہے۔

عقیدہ حتمیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے اور ذنوب کے معنی عام طور سے گناہ کے لیے جاتے ہیں اسلئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ

سب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم مفید ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ذنب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اسکے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے
اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز نے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے
معلوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُن بُرائیوں سے محفوظ ہیں جو مصیبت اور نکرات
کے قبیلہ سے ہیں اور جو اُمت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے
اور آپ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ مصیبت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلافِ اولیٰ
یا آپ کی شانِ عالی کے کاغذ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا دفعہ
یا عبد اللہ بن اُمّ مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی بُرتنے کا واقعہ جن پر سورہ قلم
اور سورہ غنیمت میں آپ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی۔
بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں
اور اگرچہ یہ چیزیں مصیبت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں لیکن۔ ۴

”قریباً زائیش بود حیرانی“

کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے متحیدہ اور فکرمند ہوتے تھے کہ ہم
عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکرمند نہیں ہوتے۔ پس قرآنِ حدیث میں
جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کے ذنب کی مغفرت کا ذکر آیا ہے
وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔۔۔ ذنب کے لغوی معنی ہیں
اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

(۲۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَانْظَرَ
إِمْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَمَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللَّهُ
إِمْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَانْظَرَتْ زَوْجَهَا

فَصَلِّ فَإِنِ ابْنِي تَدَمَعْتُ فِي وَجْهِهِ الْمَاءُ

(مدادہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رحمت اُس بندے پر جو رات کو اٹھاؤ اُس نے نماز تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اُس نے بھی نماز پڑھی اور اگر (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) وہ نہیں اٹھی تو اُس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا پھینٹا دے کر اُس کو بیدار کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اُس بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اُس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اُس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی، اور اگر وہ نہ اٹھا تو اُس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا پھینٹا دے کر اٹھا دیا۔

(سنن ابی داؤد بنسائی)

(تشریح) اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرق مراتب کے باوجود عام صحابہ کرامؓ اور صحابیات کا یہی حال تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور تربیں تھا، اس لئے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہو گا کہ کسی رات کو ایک شوہر نے آنکھ دھرتی پر کھل گئی اور بیوی سو رہی گئی، یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سو رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا، اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت آمادہ نہ ہوا تو محنت و تعلق کے اعتماد پر منہ پر پانی کا ہلکا سا پھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں

پل زعل کسی کشیدگی اور ناگواری کا باعث ہو گا ملکہ انشاء اللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا۔۔۔ بہر حال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو اسکے اہل ہوں اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نماز تہجد کی قضا اور اس کا بدل :-

(۲۰۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ نَامَ عَنْ حَرْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَفَكَرَ أَهْ فِي مَابَيْنَ
صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كَتَبَ لَهُ كَأَمَّا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ.
(رواہ مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جو شخص رات کو سوتا رہ گیا اپنے مقررہ ورد سے یا اسکے کسی جز سے بھر اُس نے اُس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اسکے حق میں جیسے کہ اُس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔۔۔ (صحیح مسلم)

تشریح (مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنے نوبی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا اور وہ کسی رات سوتا رہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جز فوت ہو جائے تو اگر وہ اُسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اُس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

(۲۱۰) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

اِذَا قَامَتْهُ الصَّلَاةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجْهِ أَوْ غَيْرِهِ صَلَّى
مِنَ النَّهَارِ ثَلَاثِي عَشْرَةَ رُكْعَةً — (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری
وغیرہ کسی اندر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد فوت
ہو جاتی تو آپ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے :-

(۲۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رُكْعَةً
مِنْهَا الْوُتْرُ وَرُكْعَتَا الْفَجْرِ — (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وُتْر اور ثلث
کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے
بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپ کا اکثری معمول تھا
ورنہ خود حضرت عائشہ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی
آپ اس سے کم بھی پڑھتے تھے۔

(۲۱۲) عَنْ مَسْرُودٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعُ
وَلِسْعٍ وَاحِدَةٍ عَشْرَةَ رُكْعَةً سِوَى رُكْعَتِي الْفَجْرِ — (رواہ البخاری)

مُسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ ۱۔ سات اور دو اور گیارہ، مسند نبوی کی دو رکعتوں کے ہوا (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی تیار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) تفصیل خود حضرت صدیق اکبر اُس حدیث میں مذکور ہے جو وتر کے بیان میں سن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی بعض تفصیلات :-

(۲۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ رَوَى اللَّيْلَ لِيُصَلِّيَ إِفْتِخَ صَلَاتِهِ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ — (رواہ سلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ایک ایک دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اسلئے کرتے تھے کہ پہلے ایک دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اُسکے بعد طویل قرات کے ساتھ نماز پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ اور صحیح مسلم ہی میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ : « اِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَقْتِمْ الصَّلَاةَ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ » (جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے)۔

(۲۱۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ فَقَرَأَ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ حَتَّى حَمَلَتِ السُّورَةُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ فَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتَّى نَعِمَ ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رُكْعَاتٍ كُلَّ ذَلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَعْرَأُ هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ ثُمَّ أَذْكَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ الْمَوْذِنَ فَنَزَّجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُورًا وَاجْعَلْ مِنْ خَلْفِي نُورًا وَمِنْ أَمَامِي نُورًا وَاجْعَلْ مِنْ قُدْرِي نُورًا وَمِنْ تَحْتِي نُورًا اللَّهُمَّ أَغْنِنِي نُورًا۔

(رواہ سلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے ، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور

آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور یہ سوقت (سورۃ آل عمران کی آخری) یہ دعا بسم آئیں تلاوت فرماتے تھے۔ **وَرَفِ حَلْوَا اسْتَعِزَّوَات**
وَالْكَافِرِينَ۔ حتم صورت تک۔ پھر آپ سارے کے لئے کھڑے ہوئے
اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا،
پھر آپ بستر کی طرف واپس آئے اور (ذرا دیر کے لئے) سو گئے یہاں تک کہ
آپ کا سانس آواز کے ساتھ پھلنے لگا، اسکے بعد آپ نے تین دفعہ ایسا ہی کہا
(یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اٹھے مسواک کی وضو فرمایا اور طویل قیام
اور طویل رکوع بخود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپ نے پہلی دو رکعتیں طلاق
تھم کیں پڑھیں اور ہر دو رکعت کر آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کی
آخری دو آئیں پڑھنے تھے۔ پھر آپ نے تین رکعت نماز پڑھی پھر مؤذن نے
فجر کی اذان دی تو آپ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ نے دعا
فرمائی تھی۔ **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُورًا وَّ فِيْ لِسَانِيْ نُورًا**۔
(اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما اور میری زبان میں نور پیدا فرما اور میری
سمیع و بصیر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کرے اور میرے
اوپر اور میرے نیچے نور کرے اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔) صحیح مسلم

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے اور دوسری
کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے اور بعض طرف میں اس سے زیادہ تفصیل ہے
نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ
سورۃ آل عمران کی آخری آیتیں آپ نے سوکے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں
اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا۔ **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُورًا** اور
آپ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھنے کے

در بیان میں فرادیر کے لئے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضورؐ کی عام عادتِ غماز کہ نہیں تھی، اُس رات آپؐ نے اتفاقاً ایسا کیا ہو گا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں شروع میں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے نہ کیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایت میں صراحتہ تیرہ رکعت پڑھے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں بیانات میں تطبیق اسی طرح ہی جاسکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اسکے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نمازِ تہجد سے خارجِ نیحۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

دُعا و نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں صرف نو دُعا نہیں کیے ہیں بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کئے گئے ہیں۔۔۔ بڑی شبہ ہے اور نورانی دُعا ہے۔۔۔ حاصل اس دُعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب و دماغ پر قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر جھجکے میں امد میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرمائے اور مجھے از سر تا پا نو بنائے اور میرے دوسرے اور نیچے ہر طرف نور ہی نور کر دے۔ قرآن مجید کی آیت اَللّٰهُ نُورٌ وَالشَّہَادَةُ نُورٌ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دُعا کا مقصد یہ ہو گا کہ میرا وجود اور گرد و پیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے، اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگن ہو جائے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔

۲۱۵۔ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُولُ اللَّهُ أَتَمُّ نِعْمَةٍ وَأَمَّا الْكَلْبُ
وَالْعَبْدُ وَتَوَالِكُ بَرِيَاءٌ مَا أَجْطُوهُ نَدْرًا سَفْتَنَ فَمَرَأَ
الْمَصْرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ تَحْوِيلًا قِيَامِهِ فَكَانَ

يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ
 بَيْنَ انْزَاكِ رُكُوعِهِ كَأَنَّهُ قِيَمٌ مِّنْ نَّحْوَاتَيْنِ، لَتُوَعِدَ يَقُولُ بِرُكُوعِهِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ سَجْدَةً وَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوَةَ اثْنَيْنِ فَيَا عِيسَى فَكَانَ
 يَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْإِلَهَ الْكَلِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ
 مِنَ السُّجُودِ وَكَانَ بِفَعْدٍ فِيمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا
 مِّنْ سُجُودِهِ وَكَانَ يَقُولُ رَتَّبَهُ وَرَدَّ عَفْوَ لِي فَصَلَّى
 أَرْبَعًا رَكَعَاتٍ قَبْلَ فِطْرَتِ الْخَصْرِ وَالْجَوَارِ وَالنِّسَاءِ
 وَالْمَيْمَةِ أَوَّلًا نَحْمُكَ اللَّهُمَّ - (رواه داود)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات سجدہ کی نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے نماز
 شروع کرتے ہوئے کہا۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر! واللہم صل علی محمد
 وعلیٰ آل محمد! (اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا،
 بڑی بادشاہت والا، بڑے و بڑے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد
 آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ بقرہ پڑھی، پھر
 رکوع کیا، تو آپ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا جتنی جس طرح قیام بہت طویل کیا
 کہ ایک رکعت میں پوری سورہ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپ نے
 رکوع بھی بہت طویل کیا، اور اس رکوع میں آپ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا
 ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ پھر آپ کے رکوع سے سر اٹھا تو رکوع ہی کی طرح
 بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قوم میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا۔
 ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لئے ہے)
 اس کے بعد آپ نے سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قیام ہی کی طرح بہت طویل تھا

وَلَا تَغْفِرْ لَهُمْ قَاتِلُكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْمُحْكِمُ

(رواہ النسائی و ابی داؤد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی اور وہ سورہ مائدہ کے آخری رکوع کی یہ آیت تھی ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

(سنن نسائی و سنن ابی داؤد)

فَاَتُغْفِرْ لَهُمْ عَذَابُكَ الْآلِیْنِ ۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپ نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاَتُغْفِرْ لَهُمْ عَذَابُكَ وَلَا تَغْفِرْ لَهُمْ قَاتِلُكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْمُحْكِمُ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک بے حلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جز ہے ۔ سورہ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سیحون پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی اُمت سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنا لینا؟ حضرت عیسیٰ اسکے جواب میں ایسی بات سے انہی قطعی برات ظاہر کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوند آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ عالم الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی ان میں یہ شرک دُنیا سے میسر جانے کے بعد آیا ۔ اسکے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰ نے جواب کا آخری جز ہے ۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاَتُغْفِرْ لَهُمْ عَذَابُكَ وَلَا تَغْفِرْ لَهُمْ قَاتِلُكَ

اَنْتَ الْعَزِيزُ الْمُحْكِمُ (مائدہ ۶) خداوند اگر تو ان کو (ان کے سنگین

جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بچے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب پر حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہو گا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہو گا بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہو گا)۔

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپ کو اپنی اُمت کا خیال آگیا جس کے بارے میں آپ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپ اسی کی فکر میں عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور دردمندانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور میں دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

(۲۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَيَخْفِضُ طَوْرًا —

(رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی ہستہ پست آواز سے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱۸) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ يُصَلِّيُ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّيُ رَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّيُ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ جَاءَ بِيْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ

تُصَلِّيْكَ دَافِعًا صَوْتِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ قِطَا لَوْ شِئْنَا
وَكَاطَرَدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ الشَّيْخُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَا أَبَا بَكْرٍ اذْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ
مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو ابو بکرؓ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ: میں رات تمھارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اس کو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمرؓ سے فرمایا کہ تمھارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھانا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکرؓ تم کسی قدم اونچی آواز سے پڑھا کر دو اور عمرؓ سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کر دو (سنن ابو داؤد)

(تشریح) عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل غنی ہو اور نہ بہت زیادہ ہرے، مندرجہ بالا حدیث کا منشا یہی ہے لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا اور اسکے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت

وہی فصل ہوگا۔

چاشت یا اشراق کے نوازل:۔۔۔۔۔

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لیکر ظہر تک کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، مگر اس درمیان میں ”صلوٰۃ الضحیٰ“ کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اشراق کہا جاتا ہے، اور دن ابھی طرح چڑھنے کے بعد اگر پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:-

”دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پرکتے ہیں) حکمت الہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اسلئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ ”صلوٰۃ الضحیٰ“ (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی، اور اسکے فضائل و برکات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ بہ سعادت حاصل کریں۔۔۔۔۔ پھر یہ ”صلوٰۃ الضحیٰ“ کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش

چار رکعت اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت۔۔۔ (حجۃ اللہ الباقیہ)

اس تہید کے بعد صلوٰۃ الضعی سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں:۔

(۲۱۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سُلَامَى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ
صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ
وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَبُخْرِيٌّ
مِنْ ذَلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّعْفَى۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا اور ان کا ہر جوڑ صبح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکر میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہیے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک نعمت سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے، اور اس شکر کی ادائیگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی پچاشت کے وقت پڑھے۔۔۔۔۔ (صبح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہیے پچاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرمالتا ہے اور غالباً

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سائے اعضاء اور اسکے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم (۲۲۰) عَنْ أَبِي الدُّدَّاءِ وَأَبْنِ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِنَّهُ قَالَ يَا بَنِي آدَمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفَلِكُمْ آخِرَهُ ————— (رواہ الترمذی)

حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میسر لئے پڑھا کر، میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ کا جو بندہ ربِّ کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یعنی اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا، انشاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اسکے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے۔

(۲۲۱) عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَعَمَّ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُ صَلَوةَ الضُّمِيِّ؟ قَالَتْ أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللَّهُ ————— (رواہ مسلم)

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کے رکعت پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ

جنتی اللہ چاہتا ————— (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا اور ان کو یہ کہتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں: لَوْ نَشِئُ إِلَىٰ أَبَوَائِي مَا تَرَكَنَّهَا (اگر میرے والدین ماجدین میرے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پرسترت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)۔

(۲۲۲) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى ثَمَّ إِنِّي رَكْعَاتٍ فَلَمَّا دَخَلَ صَلَّوْهُ قَطًّا أَخَمَّتْ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّكَ يُتِمُّ الْوُكُوفَ وَالسُّجُودَ وَقَالَتْ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَىٰ وَذَٰلِكَ صُمِّي۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپ رکوع سجدہ پوری طرح کرتے تھے ————— اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا —————

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافِظًا عَلَى شُفْعَةِ الصُّمِّي غُفِرَتْ لَهُ
ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ

(رواہ احمد و الترمذی ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے دو گناہ چاشت کا اہتمام کیا اُس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) عبادات یا دوسرے اعمال صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

(۲۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِي بِخَيْرِ لَيْلٍ يَشْلَا بِهَا
يَصِيَامُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكَعَتَي الصُّمِّي
وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَرْقُدَ ————— (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے: ایک ہر چھ تین دن کے رونے اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔ (صحیح مسلم)

(۲۲۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُصَلِّي الصُّمِّي حَتَّى تَقُولَ لَا يُدْ عُمَا وَيُدْ عُمَا حَتَّى تَقُولَ
لَا يُصَلِّيَنَّهَا ————— (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اسنے) اہتمام اور پابندی سے

پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرماتے تھے جن کا کرنا آپ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطبے کی وجہ سے کہ آپ کو پابندی سے کرتا دیکھ کر آپ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اس کو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے۔“

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپ اس مصلحت سے ترک کر دیتے تھے اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت آپ سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے :-

غرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات معین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ خاص حالات سے ہے۔ جیسے :-

دو گناہ وضو (جس کو عن عام میں تحیۃ الوضوء کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت صلوٰۃ توبہ اور نماز استغاثہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا

تعلق ہے یہ اُسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ ان میں تحیۃ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ اسی طرح تحیۃ المسجد سے متعلق احادیث بھی ”مساجد کی اہمیت و فضیلت“ کے بیان میں مذکور ہو چکی ہیں۔۔۔۔۔ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھیے!۔

صلوٰۃ استغفار:۔۔۔۔۔

(۲۲۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّيُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ الَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفِرُوا لَهُمْ — (رواه الترمذی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو بکر نے

نے بیان فرمایا (جو بلاشبہ صادق و صدیقی ہیں) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اسکے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔۔۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ۔۔۔ الخائتہ۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورہ آل عمران کی ہے، اور اللہ کے اُن متقی

بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص ہے تیار کی گئی ہے۔ اسکے بعد یہ آیت ہے۔

”وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
فَاسْتَعْفَرُوا وَلِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ ذُنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ
يُبْصِرْ وَأَعْلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۚ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ
مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ بُحْرَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْآلُ نَهْرٌ
خَالِدٌ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۚ (آل عمران ۱۳۷)

(اور وہ بندے جن کا حال یہ ہے) کہ جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جائے
یا کوئی بُرا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو جلد ہی انہیں شریا و آجاتا
اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔

اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا۔۔۔۔۔ اور وہ

دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر ہرگز نہیں کرتے ایسے لوگوں کی جزا بخشش و معافی ہے

اُن کے رب کی طرف سے اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ

ان میں ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)۔

اس آیت میں اُن گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنہوں نے

معصیت کو عادت اور پیشہ نہیں بنایا ہے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی

بُرا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ

ہو کر اُس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا

بہترین اور پختہ طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا

کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ :

(۲۲۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى اللَّهِ أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِبِ الْوُضُوءَ ثَمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَلِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْخَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ نَاسٍ لَا تَدْعُ إِلًا دُنْيَا إِلَّا غَفَرَ لَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا قَرَجَتْهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ — (رواه الترمذی بنی جبر)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو) یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثنا کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْخَلِيقُ الْكَرِيمُ“۔ ایزد اللہ کے سوا کوئی مالک

و وجود نہیں، وہ بڑے علم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو
عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اُس اللہ کے لئے
جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اُن اعمال
اور اُن اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری
منفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ
اٹھانے اور رستہ لینے کا اور ہر گناہ اور مصیبت سے سلامتی اور حفاظت کا
خداوند! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے
اور میری ہر حاجت جس سے تو راہنی ہو اُس کو پورا فرمائے۔ اے ارحم الراحمین

سب مہربانوں سے بڑے مہربان!!۔۔۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)
(تشریح) یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی دُمن کے لئے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ
مخلوقات کی ساری حاجتیں اودھن و دتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں
اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی
اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اُنھی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ حاجت کا
جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ سے
اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان
ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہو اُن کا یہی تجربہ ہے اور انھوں نے ”صلوٰۃ حاجت“
کو خزانہ اکیمہ کی گنجی پایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُن حاجتوں کیلئے بھی صلوٰۃ حاجت
تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندہ سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ
جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح

دعا کرے گا تو اُس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا اور اصل وہ بندہ نہیں ہے نہ اُس کے کچھ اختیار میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے، اس کے بعد جب کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہو ابھی دیکھے گا تو اُس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(۲۲۸) عَنْ حَدِیْقَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

اِذَا حَزَبَہٗ اَمْرٌ صَلَّی ————— (رواہ ابوداؤد)

حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی اور کوئی

اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے — (منہن ابی داؤد)

(تشریح) قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے : ”اِسْتَعِیْزُوْا بِاللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ“

(مشکلات اور ہمت میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو)

اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ

ہر مشکل اور غم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے

اور اُمت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ

والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ استخارہ : —

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اُس کا

انجام اُس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے لئے صلوٰۃ استخارہ تعلیم فرمائی

اور بتایا کہ جب کبھی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا

کر لیا کرو۔

(۲۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يُعَلِّمُنَا الشُّرُوحَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ إِذَا هُمْ أَحَدُكُمْ بِأَمْرٍ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ —
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقِيكَ بِقُدْرَتِكَ
 وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا
 أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ —
 اللَّهُمَّ هَذَا كُنْتُ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي
 وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمُورِي (أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أُمُورِي وَ
 آخِرِهَا) فَاقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ
 وَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي
 وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمُورِي (أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أُمُورِي وَ
 آخِرِهَا) فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ
 لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْجِعْنِي بِهِ قَالَ وَيُسَيِّئُ
 حَاجَتَهُ — (رواه البخاري)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اُسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں شک و متنبہ ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہیے) پہلے وہ دو رکعت نفل پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں

اس طرح عرض کرے : اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغِیْزُکَ بِجَلِیْلِکَ اَسْتَغِیْزُکَ لَہٗ
 یَقْدِرُ عَلَیَّ الخ (میں نے آپ سے تیری صفیٰ علم کے وسیع
 خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں اور تیری صفیٰ قدرت کے ذریعہ تجھ سے
 قدرت کا طالب ہوں اور تیرے عظیم فضل کی بھیج مانگتا ہوں) کیونکہ تو
 قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے
 بالکل ناواقف ہوں اور تو سائر غیبیوں سے بھی باخبر ہے پس میں نے اللہ بزرگ
 تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین میری دنیا اور میری آخرت
 کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کرنے اور آسان بھی فرمائے اور
 پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے
 بُرا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین میری دنیا اور
 میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے
 روک دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرمائے، وہ جہاں اور جس کام
 میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔
 راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ :
 جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے
 صراحتہ اس کا نام لے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی
 رُوح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل
 اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالہ کر دیتا ہے
 کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو پس وہی کر دے، اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں
 فنا کر دیتا ہے، اور جب اُس کی یہ دُعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی ایسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے، یا اسکے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل جھٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اور اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت ہے تو استخارہ بار بار کیا جائے، اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

بہر حال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ الشہیح :

(۲۳۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيَاكَ أَلَا أَمْزُجُكَ أَلَا أَخْبِرُكَ أَلَا أَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ عَفَّرَ اللَّهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدْ يُمْنُهُ وَحَدِيثُهُ خَطَاةٌ وَعَمْدُهُ مَغْيِرَةٌ وَلِكَيْزِهِ سِرٌّ وَعَلَا نِيَّتَهُ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةَ فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكَعَةٍ فَأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرَكَهُ
فَقَوَّلَهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرَفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرَّكْعَةِ
فَقَوَّلَهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهَوَّي سَاجِدًا فَقَوَّلَهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ
عَشْرًا ثُمَّ تَرَفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَقَوَّلَهَا عَشْرًا
ثُمَّ تَسْجُدُ فَقَوَّلَهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرَفَعُ رَأْسَكَ فَقَوَّلَهَا
عَشْرًا فَإِنَّ إِلَيْكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ
ذَلِكَ فِي أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا
فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ ففِي كُلِّ جُمُعَةٍ
مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ ففِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ
ففِي عُمْرِكَ مَرَّةً ————— (رداء البوداؤد وابن ماجہ و البیهقی
فی الدعوات الکبیرہ - وردی الترمذی عن ابی رافع نحوہ)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب سے فرمایا۔
اے عباس! میرے سرِ محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گرانقدر
عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟
کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کے ایک
ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعیں حاصل ہوں وہ ایسا عمل یہ کہ
جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا
اگلے بھی اور پچھلے بھی پُر آنے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی
اور دانت سے ہونے والے بھی، شجرہ بھی اور کثیرہ بھی، ڈھلکے چھپے بھی اور علانیہ
ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ چار رکعت

تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث کا مہل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم بحسن یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی نہ ہو رہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبد اللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی ”صلوٰۃ التبیح“ کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی، اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التبیح اکثر صاحبین اُمت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا مہل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں (خاص کر نفل نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو نیکے ان اذکار اور دعائوں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز کو وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے یہی صلوٰۃ التبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے کہ یہ نیکے اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اسلئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری امام نمازوں کی طرح قرات سے پہلے ثنا یعنی سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اور رکوع میں سُبْحَانَكَ رَبِّيَ الْعَظِيمُ اور سُبْحَانَكَ رَبِّيَ الْعَظِيمُ

(ضد کا بغیر حاشیہ) کی ترغیب و تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب

”المنهاج المکفّر“ میں خاصی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ ۱۳۔

پڑھنے کا بھی ذکر ہو اور ہر رکعت کے قیام میں قرائت پہلے کلمہ شہدائے اللہ والحمد للہ
و لا الہ الا اللہ والہ اکبر پندرہ دفعہ اور قرات کے بعد رکوع میں جانے سے
پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا بھی ذکر ہے، اس طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ
پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقے میں دو سو ستر کے بعد یہ کلمہ بھی رکعت میں
بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد
پچھتر اور چاروں رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہوگی۔ — بہر حال صلوٰۃ التسبیح
کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں پڑھنے والے کے لئے مختیار ہے جس طرح
چاہے پڑھے۔

”صلوٰۃ التسبیح“ کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور مصیبت کے گندے اثرات کے
زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے :-

”اٰتِیْهِ الصَّلٰوۃَ طَرَفًا لِّتَهَارَتْ ذُرِّ الْعٰمِ مِنَ الْاَلْبٰلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

یُذْنُ وَهِنَّ الشَّیْطٰنَاتِ“ ————— (سورہ ہود: ۱۱۶)

لیکن اس تاثیر میں ”صلوٰۃ التسبیح“ کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ
بن عباس کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی
یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ،
پوشیدہ، علانیہ، سائے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے ————— اور

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک
صحابی (عبداللہ بن عمرو) کو ”صلوٰۃ التسبیح“ کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا :-

”فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ ذَنْبًا عَفِیْرَ لَكَ

بَيْنَ الْاَلَمِ“ (تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گنہگار ہو گے تو بھی اس کی

برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے گا۔
 اللہ تعالیٰ عہدِ می سے حفاظت فرمائے اور اپنے اُن خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو
 رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سُن کر اُن سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

نوافل کا ایک خاص فائدہ : —

صلوٰۃ التَّسْبِيح پر نفل نمازوں کا بیان ختم ہو چکا، اس خاتمہ پر ذیل کی ایک حدیث
 اور پڑھ لی جائے :-

(۲۳۱) عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيصَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَقُلْتُ
 اَللّٰهُمَّ بَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَجَلَسْتُ اِلَى ابْنِ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اِنِّىْ
 سَأَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يَّرْزُقَنِىْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَخَدَّ شَيْئًا بِحَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ
 مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَنْفَعَنِىْ بِهٖ
 فَقَالَ سَمِعْتُ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنْ اَوَّلَ
 مَا يُحَاسِبُ بِهٖ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَوٰتُهٗ فَاِنْ
 صَلَحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاِنْ فُسِدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ
 فَاِنْ اِنْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْئًا قَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا
 هٰذَا لِعَبْدٍ مِّنْ تَطَوُّعٍ لِّيَكُنْ لِّهٖ مَا اِنْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ
 ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلَى ذٰلِكَ — (رواہ الترمذی والنسائی)

حریث بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے
 اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ۔۔ اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت
 میسر فرما، پھر میں حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اُن سے کہا
 کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما

خاص اجتماعی نمازیں جو — اُمتِ مسلمہ کا شعار ہیں

عیدین

و

جمعہ

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے اور ان کے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات سابقین میں ذکر کئے جا چکے — ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس اُمت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے، اور عیدِ اعظم و عیدِ الفتح کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہیں۔ — فرض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مسلماتیں بھی ہیں جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے نماز جمعہ کے بارے میں چند اشارات کئے جاتے ہیں، اُمید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشاء سمجھنے میں انشاء اللہ ان اشارات سے ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہوگی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں اسلئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے لئے شہر کی ایک بڑی مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور ایسے اجتماع کے لئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اسلئے وہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی تیار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تبلیسی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور موثر بنانے کے لئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا۔ اور اس کے لئے جمعہ ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ با عظمت اور بابرکت ہے۔

جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شرعیہ) خاص انھیں میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے اُسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایات کا دن ہے اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں (جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا) بہر حال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس نام

لئے شریعت میں جموں جو خاص نوعیت رکھ گئی ہے اور جو بڑی مورد و محتاجہ دنیا میں بلکہ کسی بھی کافی بعد تک اہمیت کا جو طرز عمل جمعہ کے بارے میں نکلا ہے وہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر اور ایک ہستی میں جمعہ حتیٰ الوسع ایک ہی جگہ ہونا چاہئے۔ ہاں اگر ایسی کوئی مسجد موجود نہ ہو جس میں شہر اور ہستی کے سامنے نمازی اسکیں تو پھر حسب ضرورت شہر کی اور بھی مناسب مسجدوں کو نماز جمعہ کے لئے تجویز کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شہر کے ایک حلقہ میں جمعہ ایک ہی مسجد میں جو طریقہ کو ملے گی تمام مسجدوں میں ناگہان جمعہ جو یقیناً شریعت کے مقصد و نشار کے خلاف ہے۔

اور شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا۔ اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی۔ اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجے میں تاکید کی گئی، تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماع نوجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش منظر، بارونق اور پر بہار ہو، اور مجمع کو ملٹ کے پاک و صاف نمج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔

اس تمہید کے بعد جمعہ اور نماز جمعہ کے متعلق احادیث ذیل میں پڑھئے :-

جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت :-

(۲۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَ فِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَ فِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ان سائے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے جمعہ ہی کا دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کئے گئے اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم)

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف: —

(۲۳۳) عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خَلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبُضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْبِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالَُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ نَعْرِضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَمِيتَ؟ قَالَ يَقُولُونَ بَلِيتُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَزَمَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ —

(رواد ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والترمذی والبیہقی فی الصحیحین الکبیر)

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں قیامت کا صور بھونکا جائے گا، اور اسی میں موت اور فنا کی بیوشی اور بے جہی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔ لہذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا ہے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی)۔ زمین ابی داؤد

(تشریح) اوپر والی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے، گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک کے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ رَبَّ الْعَالَمِينَ ہے۔۔۔ اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

وفات کے بعد آپ پر درود کی پستی اور سلسلہ حیاتِ انبیاء

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ اُمت کا درود میرے پاس پہنچایا جاتا اور میرے سر سے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دُنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں)۔۔۔ اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تو جبکہ آپؐ اس دُنیا میں رونق افروز ہیں آپ کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہنچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور کبھی میں آتا ہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب آپ قبر میں دفن کر دیئے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپ کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود شریف آپ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جاسکے گا؟۔۔۔ انھوں نے یہ سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام اُن کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین اُن پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی، یعنی جس طرح دُنیا میں

خاص تدبیروں اور دواؤں سے موت کے بعد بھی اجسام کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی جو اس عالم کے قوانین کے مطابق ہوگی اس لئے درود کے پونچنے اور پیش کے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی:۔

۲۳۴، عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ
فِيهَا خَيْرًا إِلَّا آتَاهُ ————— (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو خیر اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا ہی فرمادیتا ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت و قبولیت کی ایک خاص رات (شبِ قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ و استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر جمعہ میں بھی جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب بن جراح

دونوں سے نقل کیا ہے کہ :- جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے وقت کی تعیین و تخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحتہ یا اشارہ بعض احادیث میں بھی ذکر ہے صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :-

(۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے ممبر پر جائے اُس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعت اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت دعا کا خاص وقت ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ :-

”ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتی تعیین نہیں ہے، بلکہ فشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگان خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اسلئے اسکی اُمید کیجا سکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو۔۔۔۔۔ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزول قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا پنجوڑ ہے اسلئے اسوقت بھی توفیق کیجا سکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو۔“

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ :- جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اُسی طرح اور اُسی مصلحت سے بٹھم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شنبہ کو بٹھم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں اور خاص کر تائیسویں شب کی طرف شنبہ کے بارے میں کچھ

اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کیلئے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دُعا کا خصوصیت سے اتمام کریں۔

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے بلتا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز یا ذکر و دُعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت : —

(۲۳۵) عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةُ حَقٌّ دَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلَى أُنْثَى عَبْدٍ مَمْلُوكٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مُرْغَبٍ۔

رواہ ابو داؤد

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے۔ اس وجہ سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں: ایک غلام جو بیچارہ کسی کا ملک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۳۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّهِمَا قَالَا لَا مَجْعَتَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَغْوَادٍ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْ أَقْوَامٍ عَنْ وَدْعِهِمْ الْجُمُعَاتِ أَوْ لِيُفْقِنَ اللَّهُ

عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لِيَكُونَنَّ مِنَ الْغَفِلِينَ — رواه مسلم
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ
 ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ برسر منبر فرما رہے تھے کہ،
 جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آئیں یا یہ ہو گا کہ ان کے
 اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پتھر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں
 ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیے جائیں گے)۔
 (صحیح مسلم)

(۲۳۷) عَنْ أَبِي الْأَبْجَدِ الضَّمَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعٍ نَكَاهُ نَوَابِهَا طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ — رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ
 والدارمی ورواه مالک عن صفوان بن سلیم واحمد عن ابی قتادہ۔

ابو الجعد ضمری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ارشاد فرمایا: جو آدمی بلا عذر تین جمعہ تساہل و سہل انگاری کی وجہ سے
 چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر پتھر لگا دے گا (پھر وہ نیک عمل کی توفیق
 سے محروم ہی رہے گا)۔ — (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی،
 سنن ابن ماجہ، مسند دارمی — اور یہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں
 صفوان بن سلیمؒ سے اور امام احمدؒ نے اپنے مسند میں حضرت ابو قتادہؓ سے بھی
 روایت کی ہے)۔

(۲۳۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ خُزُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي
 كِتَابٍ لَا يُسْمَعُ وَلَا يُبْدَلُ وَفِي بَعْضِ الزُّوَايَاتِ ثَلَاثًا — رواه الشافعی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔ جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جموں کی نماز چھوڑ بیگا وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا منافق لکھا جائے گا۔
(اور بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے)۔۔۔۔۔ (مسند شافعی)

(تشریح) ان حدیثوں میں جموں کی جو غیر مہولی اہمیت بیان کی گئی ہے اور اس کے ترک پر جو عیدیں سنائی گئی ہیں وہ کسی توضیح اور تشریح کی محتاج نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب معصیات و منکرات سے بچنے کی توفیق دے جن کے نتیجہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے رگڑا جاتا ہے اور اس کے دل پر نور لگادی جاتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

نماز جمعہ کا اہتمام اور اس کے آداب:۔۔۔۔۔

(۲۳۹) عَنْ سَلَمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَطْهَرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طَهْرٍ وَيَلْبَسُ مِنْ دُفْنِهِ أَذْيَمَ مِنْ طَيِّبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يَفْرُقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا كَتَبَ لَهُ ثُمَّ يَنْصَبُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا تُخِفُّ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْآخِرَى۔۔۔۔۔ (رواہ البخاری)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہانناک سے صفائی پانچنگی کا اہتمام کرے اور جو تیل خوشبو اس کے گھر ہو وہ لگائے پھر وہ گھر سے نماز کے لئے جائے اور مسجد میں پہنچ کر اس کی امتیاء کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے بیچ میں نہ بیٹھے پھر جو نماز عیسیٰ

سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں اُس کے لئے مقدر ہوں وہ پڑھے، پھر جب نام خطبہ
تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اُس کو سُنئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے
جمعہ کے درمیان کی اُس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔

(صحیح بخاری)

(۲۴۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبَسَ
مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَسَّ مِنْ طَيِّبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ شَمْرٌ
أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَخْطُ أَغْتَابَ النَّاسَ ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللَّهُ
لَهُ ثُمَّ انْصَبَتْ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْ صَلَوتِهِ
كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا —

رواہ ابو داؤد

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے
بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن
غسل کیا اور اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگا کر اُس کے پاس تھی تو
وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے
بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلا نکلتا ہوا نہیں گیا پھر رشتہوں اور
نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب نام خطبہ
دینے کے لئے آیا تو ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنا،
یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اُس نے یہ نماز اس جمعہ اور اس سے
پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔

(سنن ابی داؤد)

اُس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبودار گائے چھڑسوا کر اُس دن ضرور کیا کرو۔
 (موطا امام مالک و سنن ابن ماجہ اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو بروایت
 عبد اللہ بن عباس متصل روایت کیا ہے)۔

جمعہ کے دن خطبہ پڑھنا اور ناخن تراشوانا: —

(۲۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 كَانَ يَقْلَعُ أَظْفَارَهُ وَيَقْصُّ شَارِبَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ
 أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ — رواه البزار والطبرانی في الأوسط
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراش دیتے تھے۔
 (مسند بزار و معجم اوسط الطبرانی)

جمعہ کے لئے اچھے کپڑوں کا اہتمام: —

(۲۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلَى أَحَدٍ كُمُرَانِ وَجَدَانِ
 يَتَخَذَنَّ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ يَسُوغَ ثَوْبِي مَهْنَتِهِ —
 رواه ابن ماجہ و رواه مالک عن یحییٰ بن سعید

اسے واضح ہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے لیکن حضرت سلمان فارسی کی جو روایت ابھی اوپر
 صحیح بخاری کے حوالہ سے گزری تھی ہے اُس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کیلئے طہارت اور
 پاکیزگی کی جس طرح ترغیب دی ہے اس کی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں۔ ۱۲۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے مابوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شانِ فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے اور آپ کا مطلب یہ ہے کہ جو جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ اُ عید ہے، چونکہ حسبِ استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اسلئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تنہا کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔“
لیکن محدثین کے اہول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی فضیلت:-

(۲۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَعَتِ الْمَلَائِكَةُ

عَلَىٰ بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُمُونَ الْآذَانَ فَالْأَوَّلُ وَمِثْلُ الْمُهَجَّرِ
كَمِثْلِ لَزِي يُهْدِي بُدْنَهُ ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدِي بِقَرَّةٍ
ثُمَّ كَبُشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا سَاءَ الْإِمَامُ
طَوَّأَ أَصْحَابَهُمْ وَيَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ — رواه البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اُس کے بعد دوم نمبر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اُس کے بعد آنے والے کی مثال میٹھا پیش کرنے والے کی، اُس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اُس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے کھنے کے دفتر پلیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا اصل مقصد و مدعا جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی ترغیب ہے، اوّل آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال سے کرم سمجھانا چاہا ہے۔

نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:-

(۲۴۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبُرْدُ يَكْرُمُ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ

أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ ————— رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت میں گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

(۲۳۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِنَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُنْكِرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَوَتُهُ قَصِيدًا وَخُطْبَتُهُ قَصِيدًا.

رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے آپ کی نماز بھی درمیان ہی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا نہ بہت زیادہ اختصار بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرأت کے بیان میں وہ حدیں پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ اکثر کون کون سواریں پڑھتے تھے۔

(۲۳۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ اخْسَرَتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّكُمْ وَيَقُولُ بَعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنَ بَيْنَ

اَصْبَحَ عَلَيْهِ السَّيَّابَةُ وَالْوُسْطَىٰ ————— رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کی حالت اُس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے اُس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آپہنچا (اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ) بس صبح شام تم پر آپڑنے والا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمدان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں اور آپ (فہیم اور ثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پُر جوش اور پُر جلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال، قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قریب اور اسکی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے اب درمیان میں کوئی اور نہی بھی آنے والا نہیں ہے میرے ہی دور میں قیامت آئے والی ہے اسلئے اسکی تیاری کرو۔

نماز جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں :-

(۲۲۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا وَيَعْدُهَا أَرْبَعًا۔
رواہ الطبرانی فی المعجم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے۔
(معجم کبیر طبرانی)

(۲۲۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ سُلَيْمٌ الْخَطَّافِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَعَدَ سُلَيْمٌ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلْتَ رَكْعَتَيْنِ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَأَذْكُفْهُمَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک خطافی ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے جا چکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) تو سلیک اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اسکے کہ نماز پڑھتے (یعنی انھوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضور خطبہ کے لئے منبر پر جا چکے ہیں خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا: اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھو! (صحیح مسلم)

۱۔ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث "معجم الفوائد" میں کبیر طبرانی ہی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، اور اس کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن اسکے ذیل "اعذاب الوارثہ" میں ہے کہ یہ حدیث ایک دو سند طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور اسکے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ غرقانی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ ۲۔

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر امام شافعی اور امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لئے جو شخص مسجد میں آئے اُس کے لئے اُس دن تہیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالفرض امام خطبہ شروع کر چکا ہو جب بھی یہ آئے والا ذکر رکعت تہیۃ المسجد پڑھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوری وغیرہ اکثر ائمہ اُن احادیث کی بنا پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے، اُوہی کے مطابق اکثر صحابہؓ و اکابر تابعین کے سہل اور فتوے کی بنا پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اور سلیک غطفالی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں — اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسے وقت پہنچ جائے کہ خطبے سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

(۲۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتَ أَحَدَ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ فَلْيَصِلْ بَعْدَهَا أَرْبَعًا۔

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہئے کہ اسکے بعد چار رکعت اور پڑھے۔ (صحیح مسلم)

(۲۵۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُمَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

ﷺ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الملہم“ شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا نقطہ نظر اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:۔ والا نصاب ان المصادر بنشرہم لتزجیم احادیثیہم الی الآن ولعل اللہ یعذب بعد ذالک اصرا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَتَصَوَّفَ فَيُصَلِّي
رَكَعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ

رداء البخاری و سلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ سجدے سے گھر تشریف لے جاتے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و سلم)

(تشریح) کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اسکے بعد چار رکعت کو یا کُل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔

اسلئے ائمہ مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں، بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔



عید الفطر و عید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اُس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں :- ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دنوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے

یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید النبی کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے۔ ————— بہر حال ان دونوں (مکرم شوال اور اردی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور اُمت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔ ————— اصل مقصد تو یہاں ”کتاب الصلوة“ میں عیدین کی نماز کا بیان ہے لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال و احکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی، جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز: —————

(۲۵۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْمَدِينَةُ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ
الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي بُحَاةِ هَيْلَتِهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَبَدَ لَكُمْ اللَّهُ
بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ —————

رواہ ابو داؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اہمیت یا سبب ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ: ہم جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح

منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید النضیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد و تصورات اور انکی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں اسلئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کر کے انکی جگہ عید الفطر اور عید النضیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیے جو اسکے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ کاش اگر مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اسکے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کیلئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ:

(۲۵۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمَسْجِدِ فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدُو بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَتْلُو مَقَائِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيُعْظَمُ لَهُمْ وَيُؤْمَرُونَ وَيَأْمُرُهُمْ فَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ

اَوْ يَأْمُرُ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ ————— رواہ البخاری و مسلم
 حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید النضی کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے بیسے پہلے
 آپ نماز پڑھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے
 کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے پھر آپ اُن کو خطبہ دے
 دے خطبہ نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ
 تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد)
 اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بلے میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا
 تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے پھر (ان سارے حتمات سے فارغ ہو کر) آپ
 عید گاہ سے واپس ہوتے تھے ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول
 یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اُس میدان میں پڑھتے تھے
 جس کو آپ نے اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا۔
 اُوقت اسکے گرد کوئی چمار دیواری بھی نہیں تھی بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے
 لکھا ہے کہ مسجد نبوی سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے عید کی نماز
 ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے جیسا کہ آگے ایک حدیث میں
 اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید
 کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلا کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے
 بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے: —

(۲۵۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ يَغْزِرُ آذَانَ وَلَا إِقَامَةً — رواه مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز ایک ہی دو دفعہ نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے — (صحیح مسلم)

(۲۵۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ عِيدٍ قَبْدَهُ بِالْعَلْوَةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ يَغْزِرُ آذَانَ وَلَا إِقَامَةً فَكُنَّا نَقْضِي الصَّلَاةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلَى بِلَالٍ فَعَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَرَهُمْ وَحَمَّهُمْ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَنْعَهُ إِلَى الْبَسَاءِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللَّهِ وَوَعظَهُنَّ وَذَكَرَهُنَّ — رواه النسائي

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید گاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبے سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلال پر سہارا لگا کر آپ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی، اور لوگوں کو پسند و نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر

آپ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور
ان کو پسند و نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

(تشریح) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو
خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو استقبال خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس
کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ نے اس لئے کیا تھا کہ
آپ کے خیال میں عورتیں آپ کا خطبہ سن نہیں سکتی تھیں۔ واللہ اعلم

(فائدہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عید مبارک میں عیدین کی نماز میں تواتر
بھی عام طور سے شریک ہوتی تھیں، بلکہ ان کے لئے سیاق کا حکم تھا، لیکن زمانہ ابعد میں
جب مسلم معاشرے میں فساد آگیا تو جس طرح اہل سنت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور بیچگانہ
نماز کے لئے تواتر کا رسم روں میں آنا مناسب نہیں سمجھا، اسی طرح نماز عید کے لئے
ان کا عید کا عام سنانا بھی مناسب نہیں تھا۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نقلی نماز نہیں ہے۔۔۔

(۲۵۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد
آپ نے کوئی نقلی نماز نہیں پڑھی۔

(صحیح بخاری و مسلم)

سیدین کی نماز کا وقت :

(۲۵۷) عَنْ يَزِيدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الرَّحْبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جُبَيْرٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ النَّاسِ فِي يَوْمٍ عِيدٍ فَطَرًا وَآصَحَى فَأَنكَرُوا بَطَاءَ الْإِمَامِ فَقَالَ إِنْ أَكُنَّا قَدْ خَرَعْنَا سَاعَتَنَا هَذِهِ وَذَلِكَ حِينَ الشَّيْخِ

رواہ ابو داؤد

یہ یزید بن محمد بن زبیری تھے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن جبر بنی اللہ عید الفطر یا عید النحر کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لائے۔ امام کے آنے میں دیوانی آواز آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا اور اس کی نصرت کی اور فرمایا ایک قوت تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اودیہ نوافل کا وقت نماز نوافل سے مراد عید یا عاشورہ کے نوافل۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) عبداللہ بن جبر صحابی رضی اللہ عنہ نے سام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں مشہور میں محض ہیں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نیکو فرمان اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرا پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید الفطر اور عید النحر کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے تلخیص بحیرہ میں احمد بن حنبل سے روایت کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جبر بنی اللہ عید

کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے :-

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَايَوْمِ الْفِطْرِ
وَالشَّمْسُ عَلَى قَيْدِ رُحْمَيْهِ وَالْأَخْيُ عَلَى قَيْدِ رُحْمِهِ“ —

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے
کہ آفتاب بعد از نوز کے بلند ہوتا تھا اور عید النبی کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے
کہ آفتاب بعد از ایک نیر کے ہوتا تھا)۔

ہمارے زمانہ میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے بلکہ
خلاب سنت ہے۔

(۲۵۸) عَنْ أَبِي عُمَيْرٍ بْنِ الْأَسَدِ عَنْ عُمُوسَةَ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّكَ جَاؤَا إِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهُدُونَ أَنَّهُمْ رَأَوْا الْهَلَالَ
بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا إِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَعْبُدُوا
إِلَى مُصَلَّاهُمْ — رواه ابو داؤد والنسائي

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے کہ وہ
اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام
میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کیس باہرست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس آیا اور انہوں نے شہادت دی کہ کل (راستہ میں) انہوں نے چاند دیکھا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روئے بے کھول دیں اور
کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کے لئے عید گاہ پہنچیں۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک نور رمضان کی

۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا، لیکن دن ہی میں کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ بلتے ہوئے آیا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روکے رکھوئے کا حکم دے دیا اور نماز عید کیلئے فرمایا کہ کل جمع بڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہنچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ یازید اپنے وقت پر نہ پڑھی جاسکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نمازیں قرات :

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا دَاوُدَ الْبُثَيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِالنِّسَاءِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْرَأَتْ السَّاعَةُ

رواد اسلام

عید الشریعہ بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو داؤد البیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نمازیں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے انھوں نے فرمایا کہ : ”قی والقوان المجید“ اور ”اقرأت الساعة“۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) یہ بات عید الاضحیٰ سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انھوں نے

ابو واقد لیشی سے پوچھا۔ بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیشی کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا اپنے مزید اطمینان کے لئے۔ واللہ اعلم

(۲۶۰) عَنْ التَّعْمَانِ بْنِ كَيْسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ "بِسْمِ اللَّهِ الرَّبِّ الْعَلِيِّ" وَ"هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ" قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاةَيْنِ ————— رواه مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "بسم اللہ رب الاعلیٰ" اور "هل اتاك حديث العاشية" پڑھا کرتے تھے اور جب اتفاق سے عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑھاتا تو یہی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ابو واقد لیشی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیاناتوں میں کوئی منافی نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سورہ فتح اور سورہ قمر پڑھتے تھے اور کبھی سورہ اعلیٰ و سورہ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں: —————

(۲۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّكَ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمٍ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ ————— رواه أبو داود وابن ماجه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عید کی نماز مسجد میں ہی پڑھائی۔ (بخاری طبرانی و ترمذی و ابن ماجہ)

(تشریح) عیدین میں اُمت مسلمہ کا تہوار اور دینی جشن ہونے کی خوشان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اسلئے عام حالات میں یہی سنت ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟

(۲۶۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمَ يَوْمَ الْاَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ

رواہ الترمذی داں ماجہ والدارمی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کے لئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔

(جامع ترمذی سنن ابن ماجہ سنن دارمی)

(تشریح) صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نسیا فسخی اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اسلئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان

عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمْرٌ بِهَا أَنْ تُؤَدَّ عَلَى قَبْلِ خُرُوجِ النَّاسِ
إِلَى الصَّلَاةِ ————— رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَلَّم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر فرد
و خورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقہ فطر لازم کیا ہے ایک صاع کھجور یا
ایک صاع جو۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقہ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے
ادا کرایا جائے۔ ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر بھی انفاق (دو لقمندوں) ہی پر واجب ہے نہ کہ یہ بات
غیاطین خود سمجھ سکتے تھے اسلئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، یہی بات
کہ انفاق کون ہیں اور اسلام میں دولت مندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تفصیل
انشاء اللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جاسکے گی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر
ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اسکے گرد و نواح میں عام طور پر
بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اسلئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے بعض
حضرات نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک چھوٹے گھر لانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجور یا
ایک صاع جو کافی ہوتے تھے اس حساب سے ہر دو لقمند گھر لانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی
جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا جس سے ایک معمولی گھر لانے
کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔ ————— ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق
کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔
(۲۶۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَمِمَّا زَكَاةُ الْفِطْرِ طَهْرُ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةٌ
لِلْمَسَاكِينِ ————— رواہ ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کو فحول و لا یعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک
صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کے بند و بست کیلئے صدقہ فطر
واجب قرار دیا ————— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں صدقہ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف
اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقہ فطر کے ذریعہ
محتاجوں مسکینوں کی بھی شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ
زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے رونے پر جو بڑے اثرات پڑے ہوں گے
یہ صدقہ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

عید الاضحیٰ کی قربانی :

(۲۶۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ
إِلَى اللَّهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ فَلَا تَقِي لَيَاتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ
بِعُزْوَيْهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ
مِنَ اللَّهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ بِالْأَرْضِ فَيَطْبِئُ بِهَا نَفْسًا.

رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت عاتقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ۔ نبی اکبر کی دوسری تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا گوشت

عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے پس اے خدا کے بندو! مل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۶۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هِيَ الْأَضْرَاجُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْوَاقِعُ مَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٍ، قَالَ الْوُثُوقُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوَبِ حَسَنَةٍ

رواہ احمد ابن ماجہ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاثیر ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ یہ تمہارے درودِ وحانی اور سلی امورِ شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا اور وہ کیا کرتے تھے، ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم کچھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) اُن صحابہ نے عرض کیا:۔ پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ! ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انھوں نے عرض کیا:۔ تو کیا اُن کا بھی یا رسول اللہ! یہی حساب ہے؟ (اس سوال کا مطلب تھا کہ بھیڑ، دنبہ، بشتھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل، یا بکری کی طرح کے

بال نہیں ہوتے بلکہ اُن ہوتا ہے اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر
لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں، تو کیا ان اُن والے جانوروں کی قربانی کا ثواب
بہی ہے، ال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟)۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں!
اُن یعنی اُن والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا
کہ اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔۔۔ (مسند احمد سنن ابن ماجہ)

(۲۶۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَعِّقُ۔۔۔ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا، اور آپ برابر
(ہر سال) قربانی کرتے تھے۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

(۲۶۹) عَنْ حَنْسِ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَعِّقُ بِكَبْشَيْنِ
فَقُلْتُ لَهُ مَا هَذَا؟ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَوصَانِي أَنْ أُضَعِّقَ عِنْدَ قَانَا أُضَعِّقُ عَنْهُ۔

رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ

حَنَس بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
دوینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ:۔ یہ کیا ہے یعنی
آپ پہلے ایک کے دوینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟)۔ انھوں نے فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی
قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مسند جہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ

دریہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کیساتھ ہر سال قربانی فرماتے بیٹھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ :-

(۲۷۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَئِئِي وَكَبَّرَ قَالَ رَأَيْتُهُ ذَا ضِعَاعٍ مَدَّ عَلَى صِفَاحِهِمَا دُجُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ————— رواه البخاري ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو بیٹھوں کی قربانی کی اپنے دست بڑا کر سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت "بسم اللہ واللہ اکبر" پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذِّبْحِ كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ مَوْجُوعَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ "إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ آبَائِي خَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ"

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ
اللَّهُمَّ مَنَّاكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ
شَمَّ ذَنْبِي ————— مداد احمد ابوداؤد وابن ماجه والترمذی —————

دقی روایت لا احمد ابی داؤد والترمذی ذَنْبِي بِيدٍ وَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ
اللَّهُمَّ هَذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَعَنَ بَطْنِي مِنْ أُمَّتِي۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے وقت یعنی عید قربان کے دن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ہی سفیدی مائل سینگوں والے دوختی مینڈھوں کا
قربانی کی جب آپ نے ان کا رخ صحیح یعنی قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دُعا پڑھی : اِنِّی
وَجَّهْتُ وَجْهَیَّ لِلَّذِیْ اللّٰهُمَّ مَنَّاكَ وَلَكَ
عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ (میں نے اپنا رخ اُس اللہ
کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے طریقہ پراہم ایم کے ہر طرف سے
یکسو ہو کر اور میں شریک والوں میں سے نہیں ہوں میری نماز و عبادت اور میری قربانی
اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساتھ نہیں
اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی
طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے تیرے بندے محمدؐ کی
اور اس کی اُمت کی جانب سے بَلَّغُوا اللہَ اکْبَرُ) یہ دُعا پڑھ کر آپ نے مینڈھ پر
چٹری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔

(مسند احمد و سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد و سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری
روایت میں آخری جگہ اس طرح ہے کہ آپ نے "اللّٰهُمَّ مَنَّاكَ وَلَكَ" کہنے کے بعد

اپنے ہاتھ سے فتح کیا اور زبان سے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ (اے اللہ!)
 پیری جانب سے اور میرے اُمتیوں کی جانب سے جنھوں نے قربانی نہ کی ہو۔
 (تشریح) قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ۔
 میری جانب سے اور میری اُمت کی جانب سے یا میرے اُمتیوں کی جانب سے
 جنھوں نے قربانی نہیں کی، ظاہر ہے کہ یہ اُمت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 انتہائی شفقت و رافت ہے۔ لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے
 ساری اُمت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے اُمتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور
 سب کی طرف سے ادا ہو گئی، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! جسکے ثواب میں
 میرے ساتھ میرے اُمتیوں کو بھی شریک فرما: ثواب میں شریکت اور چیز ہے اور
 قربانی کا ادا ہو جانے اور دوسری چیز ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات:

(۲۶۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ مَا ذُكِرَ مِنْ الصَّخَايَا فَأَشَارَ بِبَيْدِهِ فَقَالَ أُنْبَعَا الْعَرْجَاءُ الْبَتَيْنِ ظِلْعُهَا وَالْعَوْرَةُ الْبَتَيْنِ عَوْرُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَتَيْنِ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الْبَتَيْنِ لَا تُشَقِّقِي۔ رواه مالك أحمد والترمذي والبوداؤد والنسائي وابن جرير والدارمي۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب ہوں
 خواہیں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ آپ نے اشارہ فرمایا
 اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقصان ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب نقص اگر جانور میں

پایا جائے تو وہ قربانی کے قابل نہیں رہتا۔ ایک ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو۔ دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہو گئی ہو اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا ہو۔ ————— (موطا امام مالک، مسند احمد

جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۲۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُضَيَّقَ بِأَعْصَبِ الْعَذْرَةِ وَالْأَذُنِ ————— رواہ ابن ماجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہو یا کان کٹا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اسلئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مرثی، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔

قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے :-

لَنْ يَنَالَ الْوَارِثُ أَثَرًا شَيْءٍ
نَحْنُ جَاهِلُونَ بِهِ مَا يَخْبُتُ

نم کوئی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں
ہو سکتا جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ

نہ کر دے جن سے محبوب و محبوب ہیں۔

بہر حال قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے۔

بڑے جانور میں کتنے حصے :-

(۲۷۴) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

البقرة عن سبعة والخزور عن سبعة

رواه مسلم والبخاري وأبو داود واللفظ له

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 آگے یا نبیل کہ قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی نسرہ بانی سات
 آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ ————— صحیح مسلم سنن ابی داؤد

(تشریح) بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے جو عرب میں نہیں ہوتی اسلئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد:

(٢٤٥) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يَجِدُهُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَأَنصُرَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَتَدْرَأُ أَصَابُ سُنَّتِنَا وَمَنْ ذَرَحَ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ شَاةٌ لَحْمٌ عَجَلَةٌ لَا فِيهِ لَيْسَ مِنَ النَّسَائِ فِي شَيْءٍ

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قربان کے دن خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا:۔ آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حضور میں نماز عید ادا کریں۔ پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقے کے مطابق ٹھیک کریگا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اُس کی قربانی بالکل نہیں چوٹی، بلکہ اُس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لئے بکری ذبح کر لی ہے (اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۷۶) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ شَهِدْتُ الْإِسْحَاقَ يَوْمَ الْخَيْرِ
مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُنْ أَنْ صَلَّى وَفَرَغَ
مِنْ صَلَاتِهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَرَى كَحْمًا أَضْأَرَجِي قَدْ دُجِجَتْ قَبْلُ
أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَا بَعْجٍ قَبْلُ أَنْ يُصَلِّيَ
أَوْ يُصَلِّيَ فَلْيَنْزِلْ بَعْجَ مَكَانِهَا الْآخَرَى ————— رواه البخاری و مسلم

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قربان
کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ جیسے ہی عید کی نماز
سے فارغ ہوئے آپ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ
ہونے کے قبل ہی ذبح کی جا چکی تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی
کر دی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیونکہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے
صحیح نہیں ہوئی) ————— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت :-

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے
رمضان مبارک کو، اور پھر رمضان کے تین عشروں میں سے عشرہ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے،
اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل و رحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے اور اسی لئے حج بھی
انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا
ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

(۲۷۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ
هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ ————— رواه البخاری

کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں جھٹلے سکتے ہیں۔

(تنبیہ) واضح رہے کہ یہاں قربانی اور اس سے پہلے صدقہ فطر سے متعلق احادیث، نماز عیدین کی احادیث کے ساتھ تبعا ذکر کر دی گئی ہیں، ورنہ یہ ”کتاب الصلوة“ ہے

لیکن اکثر محدثین نے ایسا ہی کیا ہے کہ صدقہ فطر اور قربانی سے متعلق احادیث بھی انھوں نے صلاۃ عیدین کے ساتھ ہی درج کی ہیں۔ انہی کی پیروی میں اس کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔



صَلٰوۃ کسوف ﴿﴾ صَلٰوۃ استسقا

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے تعلق احادیث صفحات ۱۵۳ میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں جن کا دن یا تاریخ مقرر اور معلوم ہے، ان کے علاوہ دو نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے نہ تاریخ۔ ان میں ایک ”صلوٰۃ کسوف“ ہے، جو سورج کے گمن میں آجانے کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور دوسرے ”صلوٰۃ استسقا“ جو کسی علاقہ میں سونکا پڑنے یعنی بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نماز کسوف:

سورج یا چاند کا گمن میں آجانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور اُس کے جلال و جبروت کی اُن نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی بھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بڑے عاجزی کے ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اُس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ٹھیک اُس دن جس دن آپ کے شیرِ خوار صاحبزائے ابراہیم (علیہ السلام) کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا سورج گمن لگا۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے

۱۔ محدثین اس پر قریباً متفق ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال سلسلہ میں ہوا، بعض حضرات نے رجب الاول کا (تقریباً ۱۱۶۰ھ)

ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گھن لگتا ہے، اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گھن میں آجانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکر مندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت کے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ نے اس میں بہت طویل قرأت کی، اُد قرأت کے دوران آپ بار بار اللہ کے حضور میں جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثنا و نماز میں دُعا بھی بہت اہتمام اور اہتمام کے ساتھ کی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اس میں غما طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گھن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی کوئی اصل دنیا و نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اس کی عبادت اور اُس سے دُعا کرنی چاہئے۔

اس تہید کے بعد صلوٰۃ کسوف، منقطع چند احادیث ذیل میں پڑھئے۔

(۲۷۹) عَنِ الْمُغَيَّرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

(مذکورہ کا بقیہ حاشیہ)

عینہ بھی لکھا ہے۔ لیکن گزشتہ صدی کے ماہرِ فکیات محمود پاشا مرحوم نے اپنے ایک مقالہ میں جو انھوں نے فرانسیسی زبان میں لکھا تھا اور جس کا عربی ترجمہ بعد میں شمس (مصر) سے شائع ہوا تھا اپنے فتی حساب ہے اس کسوف کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۲۸۸ھ معین کی ہو اور دن دو شنبہ کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ رَأَى النَّفْسَ وَالْعَمَرَ لَا يَنْتَبِهُنَّ لِمَوْتِ أَحَدٍ
وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ فَصَلُّوا إِذَا دَعَا اللَّهُ — — — رواه البخاری و مسلم

حضرت غیور بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
خاص اُس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج کو گھنٹا تو بعض لوگوں
نے کہا کہ سورج کو یہ گھنٹا ابراہیم کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گھنٹے کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ
کی قدرت و ظہور کی نشانیوں میں سے ہے آپس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ کے حضور میں نماز پڑھو اور
اُس سے خوب دعا کرو — — — صحیح بخاری و صحیح مسلم

(تشریح) حضرت غیور بن شعبہ کی اس حدیث میں بہت اختصار ہے یہاں تک کہ آپ کی نماز پڑھنے
کا بھی ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں آپ کی نماز اور اس کی خاص کیفیت کا ذکر تفصیل سے
کیا گیا ہے۔

(۲۸۰) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ النَّفْسَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَزَعًا يَخْتَشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَأَقَامَ الْمُسْجِدَ فَصَلَّى
بِأَكْثَرِ قِيَامٍ وَذِكْرٍ وَتُجُودٍ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ
هَذِهِ آيَاتُ الْبَرِّ يُرْسِلُ اللَّهُ لَهَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ
وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ
تَسِيئًا مِنْ ذَلِكَ فَأَفْزِعُوا إِلَى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ۔

رواه البخاری و مسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) سورج گھنٹے میں
آگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے اُٹھے جیسے کہ آپ کو ڈر ہو کہ
اب قیامت ہو جائے گی، پھر آپ سجدہ آئے اور آچھے نہایت طویل قیام اور ایسے ہی طویل

دکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی ہیں نہ کبھی آپ کو ایسی طویل نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کے بعد اپنے فرمایا کہ (اللہ کی قدرت قاہرہ کی) یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں یہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خون اور فکر کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کو یاد کرو اور اُس سے دعا و استغفار کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۸۱) عَنْ قَبِيصَةَ الْهَلَالِيِّ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ قَزْعًا يَجُورُ ثَوْبُهُ وَأَنَامَعُهُ يَوْمِيْنِ بِالْمَدِينَةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ ثُمَّ انْصَرَفَتْ وَانْجَلَّتْ فَقَالَ إِنَّمَا هَذِهِ الْآيَاتُ يُخَوِّفُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا كَأَحَدٍ صَلَوةٍ صَلاَتِكُمْ مَوْهَامِنَ الْمَلَائِكَةِ ثَوْبِيَّةٍ۔

رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت قبیصۃ الہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گھٹن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا حال یہ تھا کہ اپنی چادر مبارک اچھی طرح اوڑھ بھی نہیں سکے تھے بلکہ آپ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی) میں اُس دن مدینہ میں آپ کے ساتھ تھا، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثناء میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا تو آپ نے (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان نشانوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور وہ معافی سے (بچیں) لہذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے بھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کو صرف وقت بھی پڑھو)۔ (منہج ابی داؤد، سنن نسائی)

(۲۸۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أَزِيحُ بِأَسْهُوِي
بِالْمِنْشِيَةِ فِي حَيَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ
السَّنَى فَبَدَأْتُهَا فَخَلْتُ وَاللَّهِ لَا تَطْرُقُ إِلَيَّ مَسَاحِدُكَ
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ قَالَ
فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ بَدْيَهُ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ
وَيُهَلِّلُ وَيَكْبِّرُ وَيُحَمِّدُ حَتَّى خَوَّحَنِي حَيْسَرَ عَنْهَا فَلَمَّا خَسِرَ
عَنْهَا خَرَّ سُورَتَيْنِ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ————— رواه مسلم

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اپنے تیروں بھائیوں اور نشانہ بازی کر رہا تھا کہ ایک
آفتاب گھٹن میں آگیا میں نے اپنے تیرہ ہیں پھوڑ دیئے اور اپنے جی میں کہا کہ میں ابھی ہل کر کھوں گا
کہ سورج گھٹن کے اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا نئی واردات ہوئی اور اپنے
کیا نیا عمل کیا میں آپ کے پاس آیا آپ اُس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے (یعنی نماز شروع
ہو چکی تھی) اسی حال میں آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے (جس کا نام اٹھائے جاتے ہیں)
اور یہ تک اللہ کی تسبیح و تہلیل اور کبیر و حمد کے ساتھ اُس سے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ
آفتاب گھٹن سے نکل گیا (یعنی آپ کی نماز اور دعا کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ
آفتاب گھٹن ختم ہوا اور وہ معمول کے مطابق روشن ہو گیا) آپ نے اس نماز میں دو سو تین
اور دو گتیں پڑھیں ————— (صحیح مسلم)

(۲۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَفَّتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِالنَّاسِ فَقَامَ فَأَخَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَخَالَ الزُّكُوفَ ثُمَّ
قَامَ فَأَخَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ

فَاِذَا كَانَ الرَّكْعَةُ وَهُوَ دُونَ الرَّكْعَةِ الْاُولَى ثُمَّ سَجَدَ فَاِذَا كَانَ
السُّجُودَ ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْاُخْرَى مِثْلَ مَا فَعَلَ
فِي الرَّكْعَةِ الْاُولَى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَحَلَّتِ الشَّمْسُ
فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمْدًا لِلَّهِ وَاشْفَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ اَيَّتَانِ مِنْ اَيَّاتِ اللَّهِ لَا يَنْفَعَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ
وَلَا لِحَيَاتِهِ فَاِذَا رَأَيْتُمَا ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَاصَلُّوا
وَتَصَدَّقُوا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ اِنْ مِنْ أَحَدٍ أَعْبَدُ
مِنَ اللَّهِ اَنْ يَزِيَنِي عَبْدُهُ اَوْ تَزِيَنِي أُمَّتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ
وَاللَّهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَصَيَحَبَكُمْ قَلِيلًا وَلَتَبَكَّتُمْ كَثِيرًا
اَلْأَهْلُ بَلَغَتْ

رواه البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ فاضلہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں آفتاب کو گنسن لگا تو رسول اللہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ نے بہت طویل
قیام فرمایا، پھر آپ رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر بہت
طویل قیام فرمایا، لیکن یہ قیام پہلے قیام کی نسبت کچھ کم طویل تھا، اسکے بعد پھر آپ رکوع میں
اور اپنے طویل رکوع کیا لیکن پہلے رکوع کی نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپ سجدہ میں
چلے گئے اور سجدہ بھی اپنے بہت طویل کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل ایسی طرح کیا
جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا، اسکے بعد قاعدہ کے مطابق قعدہ اخیرہ اور سلام کے بعد آپ نے
نماز ختم کر دی اور آفتاب گنسن سے نکل گیا اور (محول کے مطابق) روشنی ہو گیا، پھر آپ نے غلبہ دیا
اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اُس میں فرمایا کہ :- سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت
کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات سے ان کو گنسن نہیں لگتا (بلکہ زمین و آسمان
کی دوسری مخلوقات کی طرح ان پر بھی اللہ کا حکم پہنچتا ہے اور ان کی روشنی اور تاریکی کسی ملکہ الملک

اور تقاضہ مطلق کے ہاتھ میں ہے، لہذا جب تم ان کو گن گئے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی
بیان کرو اور اس کے حضور میں نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔۔۔ اس کے بعد اپنے فرمایا۔۔۔
اے اُمّت محمد! کسی غلام یا باندی کی بیکاری کے کسی کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ناگواری
اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے یا بندی کی بیکاری سے ہوتی ہے اس لئے اس کے قہر و جلال سے
ڈرو اور ہر قسم کی بیکاری اور مصیبت سے بچو اے اُمّت محمد! قسم ہے اللہ کی اگر اللہ کے
قہر و جلال کے بارے میں تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم مہتے اور بہت زیادہ
روتے۔۔۔ اس کے بعد اپنے فرمایا۔۔۔ خبردار! میں نے بات یوری طرح پوچھا دی
(اور اپنا فضل ادا کر دیا)۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: نماز، کسوف کا واقعہ چونکہ غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا اور آپ نے یہ نماز بھی غیر معمولی طرح پڑھی
اس لئے بہت سے صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے یہاں صرف پانچ صحابیوں کی روایتیں نقل کی گئی ہیں
کتب حدیث میں بیش سے زیادہ صحابیوں کے مجمل یا مفصل بیانات اس واقعہ کے بارہ میں ملتے ہیں۔
امام بخاری نے صحیح بخاری کے کسوف کے مختلف ابواب میں اس واقعہ سے متعلق نو صحابیوں کی حدیثیں
روایت کی ہیں، ان سب حدیثوں سے واقعہ کی بوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک بات جو ان میں سے اکثر حدیثوں سے مشترک طور پر معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ صحابہ کے لئے
یہ نماز نئی سی بات تھی اور انھوں نے اس سے پہلے کبھی صلوٰۃ کسوف نہیں پڑھی تھی اور یہ بات
بھی روایات میں صراحتہ موجود ہے کہ یہ کسوف اسی دن ہوا جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادہ (ابراہیم) کا
انتقال ہوا تھا اور محدثین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ان کا انتقال سلسلہ میں ہوا یعنی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ہی نیپے پہلے اس طرح یہ بات تعین ہو جاتی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز بس ایک ہی دفعہ پڑھی ہے جس کا ان احادیث میں
ذکر ہے۔۔۔ چنانچہ اگر ہم ان کے وقت بھی نماز پڑھنے کا حکم ان احادیث میں صاف موجود ہے
لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چاند گرہن کے وقت

بھی نماز پڑھی، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم آپ کو اس کسوٹ ہی کے موقع پر ملا، اور اُس کے بعد جو چند چیزیں آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے ان میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی، واللہ اعلم

یہ نماز آپ نے بہت غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی اور اس میں بعض بالکل نئی باتیں آپ کے ظہور میں آئیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے یہ نماز بہت طویل پڑھی (حالانکہ جماعت کے ساتھ اتنی طویل نماز پڑھنا آپ کی عادتِ بُرا کہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ۔۔۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھی، اور دوسری میں سورۃ آل عمران۔ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ بعض لوگ اس نماز میں کھڑے نہیں رہ سکے بلکہ گر پڑے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ تھی کہ آپ نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کے اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تہلیل و تکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔۔۔۔۔ اسی طرح کی ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے، اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپ نے قرأت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا، اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپ کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے۔۔۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ اس نماز کے دوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب ہٹے اور پھر آگے بڑھے، اور آپ نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔۔۔ اور پھر خطبہ میں آپ نے بتایا کہ اس وقت آپ کے سامنے عالمِ غیب کے ہر شے خالقِ منکشف کے کدے آئے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دوزخ میں عذاب کے نہایت مہلکتا ناک و زہرہ خیز مناظر دیکھے، اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قریں قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپ کے ظہور میں آئیں، مثلاً

آپ کا دودن نماز میں ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دو دو این قیام و قرأت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا، کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا، یہ سب ان غیبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

(فائدہ) ٹھیک آپ کے صاحبزادہ کی وفات کے دن سورج کو گمن لگا اور آپ کا غلبہ میں پڑے زور و قوت کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ اس گمن کا میرے گھر کے اس حادثے کوئی تعلق نہیں اور ایسا کچھ غلط فہمی اور توہم پرستی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور بے لوثی کی ایسی دلیل ہے جو بڑے سے بڑے منکر کو متاثر کرتی ہے بشرطیکہ اس کا دل بالکل ہی مردہ نہ ہو۔

نماز استسقا:

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی اُن ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے اسلئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا بڑھانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذابِ عام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح شخص اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کیلئے وہ صلوٰۃ محتاج تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعہ کے لئے بھی آپ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظر اور شکل "صلوٰۃ استسقا" استسقا کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ نے صلوٰۃ استسقا پڑھی اور اللہ کے حکم سے اُسی وقت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سند پر ذیل حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل پڑھئے:

(۲۸۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَاتْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَوْضَ الْخَطَرِ فَأَمَرَ بِمِثَابٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمِصْبِي وَدَعَا النَّاسُ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَنَزَحَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ بَدَأَ حَاجِبُ الشَّمْسِ
فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمْدُ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ
وَيَا رُكُمْ فَمَا سَمِعْنَا إِلَّا مَطَرًا عَنْ إِبْرَاهِيمَ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَ اللَّهُ
أَنْ تَذْهَبُوا وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَنْهَ اللَّهُ رَبَّ الْخَلَاءِ
الْزَخْمِ الرَّحِيمِ مَا لِكِ يَوْمَ الدِّينِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ
اللَّهُمَّ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ
عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاءً إِلَى حِينٍ ثُمَّ
رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَنْزِلْ الرِّفْعَ حَتَّى بَدَأَ بِبَاضٍ إِبْطِيهِ ثُمَّ
حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلْبَ أَوْ حَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ
يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ فَأَنشَأَ اللَّهُ
سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللَّهِ فَلَمْ يَأْتِ
مَسْجِدَهُ حَتَّى سَأَلَتِ السَّمُورُ فَلَمَّا رَأَتْ سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِبَرِ
ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ

رواه ابو داود

حضرت عائشہ صدیقہ منی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی تکلیف بیان کی آپ نے (مدینہ کی آبادی سے باہر) اُس جگہ جہاں عیدین کی نماز پڑھی جاتی تھی نماز استسقاء پڑھنے کا فیصلہ فرمایا اور لوگوں کو ایک دن متعین کر کے بتلایا کہ اُس دن سب لوگ آپ کے ساتھ جمل کر نماز استسقاء پڑھیں، اور حکم دیا کہ آپ کا منبر اُس دن وہاں لیجا کر رکھا جائے چنانچہ منبر وہاں پہنچا دیا گیا۔ اُسے حضرت عائشہؓ نے بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الصبح آفتاب طلوع ہوتے ہی وہاں تشریف لے گئے، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر اللہ کی

کبریائی اور حمد و تنایمان کی بھرپور یادگرمیوں نے اپنے ملازمین وقت پر بات سنہونے اور کچا
پڑ جانے کی شکایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جتنی حاجات میں تم اس سے دعا کرو اور
اس کا وعدہ ہے کہ وہ قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے صوم میں عرض کیا: —

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	ساری حمد و سراپا اس ربِّ العالمین کے لیے ہے
الْوَحْدَنِ الرَّحْمَنِ مَا إِلَهَ	وہ نہایت رحمت والا اور بڑا مہربان ہے
يَوْمَ الدِّينِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	یومِ حرام کا مالک و مازد ہے اللہ کے سوا
يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ أَنتَهُ	کونی اور محدود نہیں اُسی یہ شان ہے کہ جو
أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ	پا ہے کہ تھے — خداوند تو ہی اللہ ہے
الْعَزِيزُ الْغَفُورُ	تیرے سوا کوئی اور نہیں تو غنی ہے اور ہم سب
أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَاجْعَلْ	تیرے محتاج بندے میں ہم پر بارش نازل فرما
مَا أَنْزَلْنَا لَنَا خَوْفًا وَبَلَاءًا	اور جو بارش تو بھیجے گا کہ ہمارے لئے تقویت
إِلَى حِينٍ	کا ذریعہ اور ایک مدت تک کفایت کا

وسیلہ بنا۔

پھر آچے وہیں ہاتھ اوپر اٹھائے (غائباً مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں آپ ہاتھ جتنے اٹھائے تھے
اس سے ادماؤ پر اٹھائے) اور بہت دیر تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے ڈھاکے دے دے اور باتھ اتنے اور
اٹھائے کہ باوجود دیکر آپ پاؤں مبارک دھسے ہوئے تھے لیکن آپ کی نعل کے اندر دھنی جھٹنے کی
پسیدی ہی نظر آنے لگی پھر آپ نے اپنا رخ قبل کی طرف کیا اور پشت لوگوں کی طرف کر لی اور جو
چارہ آپ اڑھے دے تھے اس کو آچے پٹھا اور عا میں آپ کے ہاتھ انک اٹھے ہوئے تھے۔
پھر آچے اپنا رخ لوگوں کی طرف کر لیا اور زبیر سے نیچے آکر دو رکعت نماز پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کے
حکم سے اسی وقت ایک بدلی اٹھی جس میں گرج اور چمک بھی تھی پھر وہ اللہ کے حکم سے خوب بڑی
(اور دلی) پھر پر بارش ہوئی کہ (دلی آپ اپنی سجدہ تک وہیں نہیں پہنچے تھے کہ پانی سے راستہ

اور نالے بھر کے بچنے لگے، پھر جب آپ نے یہ نظر دیکھا کہ لوگ (جو تھا اور سوکھا کی شکایت کر رہے تھے) بارش سے بڑا لینے کے لئے سرائبان یا چھتر کی طرف دوڑ رہے ہیں تو آپ کو ہنسی آئی یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور آپ نے فرمایا:۔۔۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کو ہر پھر وہ قدرت ہے اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۸۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْعِوَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔۔۔۔۔ رواه البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقا کے لئے لوگوں کو ساتھ لے کر عید گاہ تشریف لے گئے۔ آپ اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں اور عزات بالہرکی اور قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جس وقت آپ نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا اُس وقت اپنی چادر کو الٹ کر اڑھا۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۲۸۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضِي فِي الْإِسْنِ عَاءٍ مُتَبَدِّلًا لَا مَسْوَاضٍ عَامَّةً مُتَضَرِّعًا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ رواه الترمذی۔۔۔۔۔ الوداد والنسائی وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقا کے لئے چلا تو آپ بہت معمول اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے اور آپ کا انداز خاکساری اور سکیں اور عاجزی کا تھا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃ استسقا خطبہ عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دھچکے کے اجتماعی نماز اور دعائے۔۔۔۔۔

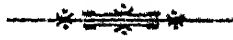
مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں :
 اول یہ کہ یہ نماز آبادی اور ہستی کے باہر صحرا اور جنگل میں براہ راست زمین پر چوٹی چاہئے یا فرش
 کے لئے صحرا اور جنگل ہی نسبت زیادہ نوزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے مائی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔
 دوسرے یہ کہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام
 نہ کیا جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس چھو سکیٹوں اور فقیروں کی صورت میں لاش تعالیٰ کے
 حضور میں حاضری جو مسائل کیلئے فقیرانہ صورت اور پٹھے حال سکیٹوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔
 تیسرے یہ کہ دعا بہت اہتمام اور اکابر کیساتھ کی جائے اور اس غرض سے ہاتھ اسنان کی کڑ
 زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں "تھول" کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ اپنے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر بٹا کر
 پلٹ کر اور بھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ جس طرح میں نے اس چادر کو لٹ دیا اسی طرح تو بارش
 نازل فرما کہ صورت حال بالکل پلٹ نہ گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعا ہی کا ایک جزو تھا۔
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں گزرا کہ اس وقت آچے نماز استسقاء
 اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور پھر پور بارش ہوئی دوسرے بعض صحابہ کرام کی روایات میں بھی اس کا
 ذکر ہے۔

اعدت یہ انت کا بھی عام تجربہ ہے۔ اس عاجز دعا کی کو بھی اپنی عمر میں ترقی و فخر نماز استسقا
 کرنے کا اتفاق چھوٹا ہے پہلی دفعہ اپنے بالکل بچپن میں اپنے اصل وطن سنجعل میں دوسری دفعہ اب سے قریباً
 ۵۱ سال پہلے لکھنؤ میں اور تیسری دفعہ ۱۹۱۹ء میں مدینہ طیبہ میں اور تینوں دفعہ نماز کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ
 بارش نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب نماز اور دعا کے نتیجے میں بارش پہلی
 اور پھر پور ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
 اَشْهَدُ اَنْكَ اللهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی

قَدِيرٌ وَإِنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ قدرت رکھتا ہوں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔
یہ کہاں عبدیت ہے کہ آپ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپ نے
اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا اللہ اوستہ
حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اُس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ۔



نماز جنازہ اور اُس کے قبل و بعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت
مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل،
پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب باتوں
اور امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے
متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات اسی طرح ذکر کئے جائیں گے۔
ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہو گا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے
اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے اسلئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ رہے
ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو
تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ
فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی ہلانے
کی کوشش کریں، اللہ کا نام اور کلام پڑھ کر اس پر دم اور اس کی صحت و شفا کے لئے
دعا کریں، اور اُس کے سامنے اجرو ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کے خوش آئند
تذکرے کریں خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں ہے اور سفر آخرت
قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمہ ایمان کی یاد دہانی کی سب

طریقہ پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بنیں۔ اس کے سامنے تسلیم ختم کر دیں، اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے، اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر لوہے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دفن دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بننا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غنجاری اور ہمدردی کریں، اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت سے دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و فوج کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاءِ الہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

یہ تو ان ہدایات کے دینی اور نقدِ برکات ہیں، اور آخرت میں انشاء اللہ

وہ سب سامنے آنے والا ہے

جس کا وعدہ آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھئے!

موت کی یاد اور اس کا شوق:

(۲۸۷) عَنْ أَنَسٍ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْبِرُوا ذِكْرَهَا ذِمَّ اللَّهُ ابْتِائَهُ ت.

رواہ انس رضی و ہریرہ عنی و النسائی وابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔

۔ (جامع ترمذی، مسند نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۲۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي لَدُنِّيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ غَائِرٌ سَبِيلٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاةَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُنْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرْضِيكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ

رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا: دنیا میں اس طرح رہ جیسے کہ تو پر دسی اور رات نہ چلتا سنا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یاد دوسروں کو بھی مخاطب کر کے، ابن عمر رضی عنہما سے فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کیلئے کچھ کمائی کر لے۔

(صحیح بخاری)

(۲۸۹) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ ————— رواه البخاری و مسلم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اُس سے ملنا محبوب ہے، اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو اللہ کو اُس سے ملنا ناگوار ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا کہ: حضرت! ہمارا حال تو یہ ہے کہ: —————
”إِنَّمَا لَمْ تَكْرَهُ الْمَوْتَ“ ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے۔

اُس نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہوئی چاہئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مومن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہئے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اُس سے محبت کرتا ہے اور اُس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بد اعمالی اور بد بختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اُس بُرے انجام پر اُس کو مُطْلَع کر دیا جاتا ہے اس لئے وہ اللہ کے حضور میں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اُس سے نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشریح کی بنا پر لقاء اللہ سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصریح ہے کہ: **وَالْمَوْتُ جَلَدٌ لِقَاءِ اللَّهِ** (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بہیمیت اور مادیات کے غلیظ پردے چاک ہونے لگتے ہیں، اور رُوح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اُس صاحبِ ایمان بندے کی رُوح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور انکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے لطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا دامنِ ایلاد شوق پر چڑھتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوشِ رحمت میں پہنچ جائے، اور اسکے برعکس جو منکر یا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور ذہنی لذتوں میں مست رہا اس کی رُوح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے صیب نقشے دکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے ہٹکنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انھیں دونوں حالتوں کو **”أَحَبُّ لِقَاءِ اللَّهِ“** اور **”كَرَّةُ لِقَاءِ اللَّهِ“** سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے **أَحَبُّ لِقَاءِ اللَّهِ** اور **كَرَّةُ اللَّهِ لِقَاءَهُ** کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناز ہنی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

(۲۹۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْقَقُ الْمُؤْمِنُ الْمَيِّتُ — رواه البيهقي في شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا تحفہ موت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد کے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آجائے گی عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے پس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکام یا سب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے اسی لحاظ سے اصحاب ایمان و یقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرنے لگی لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بلاشبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن انعامات و عنایات اور جس قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے۔

موت کی تمنا اور دُعا کرنے کی ممانعت :-

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھر کر موت کی آرزو اور دُعا کرنے

گتے ہیں یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۲۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَتَّحُ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ مَا مُحْسِنًا فَلَعَلَّه أَنْ يَزِدَّ أَوْ خَيْرًا وَامَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّه أَنْ يَسْتَعْتَبَ۔

رواہ بخاری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکو کار ہے تو اُمید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اسکے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اسکے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ و غیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خیف سا لفظی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دُعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

(۲۹۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَتَّحُ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ مِنْ خَيْرٍ أَوْ صَابَةٍ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دُعا اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دُعا) نہ کرے

اگر اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی اچھا ہو، تو یوں دُعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے
جب تک زندگی بہتر ہو اُس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو
اُس وقت تو مجھے دُنیا سے اُٹھالے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بیماری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے متعلق بتلایا کہ وہ فنا اور نیست
ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے
جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہو گا، اور اس لحاظ سے وہ موت
مومن کا تحفہ ہے۔ اسی طرح آپ نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دُکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ
ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند
بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تہنید سمجھتے ہوئے اپنی
اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں۔ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور
ہدایت دی گئی ہے۔

(۲۹۳) عَنْ أَبِي سَجِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ
وَلَا حُزْنٍ وَلَا آدَمَى وَلَا غَيْرِ حَتَّى الشُّوْكَةِ يُشَاكَهَا إِلَّا
كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ:- مرد مومن کو جو بھی دُکھ، اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی
اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کے لگتا ہے
تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۹۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُهَيِّئُهُ آذَى مِنْ مَرَضٍ فَكَفَّ سِوَاهُ إِلَّا خَطَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ سِتْرًا يَدُ كَمَا تَخْطُ النُّجُورَةُ وَرَقَهَا۔
 رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَلَّم

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے مرض سے یا اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ اسکے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خراں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
 (۲۹۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوَّلَ الْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيئَةٍ۔
 رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر کبھی اسکے مال پر کبھی اس کی اولاد پر اور اسکے تنجب میں اسکے گناہ جھڑتے رہتے ہیں (ہاں تک کہ غم کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔)
 (جامع ترمذی)

(۲۹۶) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتِ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَازِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا يَوْمَ عَمَلِهِ

اِنْ تَلَاكَ اللهُ فِيْ جَسَدِهِ اَوْ فِيْ مَالِهِ اَوْ فِيْ وَلَدِهِ شَمَّ
صَبْرَهُ عَلَى ذَالِكَ حَتَّى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِي سَبَقَتْ
لَهُ مِنَ اللهِ

رواہ احمد و ابوداؤد

نعمان خاندانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ایسا بلند مقام ملے جو جتنا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پاسکتا، تو اللہ تعالیٰ
اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں
مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ ان مصائب
و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اس کے
پیش سے ملے ہو چکا تھا۔ (مسند احمد بنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکام الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور
استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت
اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال و احوال کی وجہ سے جس درجہ کے
مستحق ہوں ان کو اُسی درجہ پر رکھا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ
کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادا پسند کر کے یا خود اس کی یا اسکے حق میں کسی دوسرے بندے
کی دعا قبول کر کے اس کو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ
سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب و حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا
کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲۹۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَوْمَ أَهْلُ الْعَاقِبَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِينَ يُعْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ
الثَّوَابَ لَوَاقٍ جُلُودَهُمْ كَأَنَّهُمْ قُرْصَتٌ فِي لُثْثِ نَيْسَا

بِالْمَقَارِیضِ ————— رواہ الترمذی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب نہ ہو، ان مصائب کے عرصہ اجرو ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے نہ خست کرینگے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قنچوں سے کافی لگی ہوتیں۔

(جامع ترمذی)

(۲۹۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَشْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَهَابَهُ الشَّقْمُ شَمَّرَ عَافَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَقَانَةَ لِمَا مَضَى مِنْ ذُنُوبِهِ وَمَوْعِظَةً لَهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ وَلَئِنْ الْمُسَافِقَ إِذَا مَرِضَ شَمَّرَ أُغْفِيَ كَانَ كَالْبَحِيرِ عَقَلَهُ أَهْلُهُ شَمَّرَ أَرْسَلُوهُ فَلَهُ يَدٌ رِلِمَ عَقْلُوهُ وَلِمَا أَرْسَلُوهُ۔

رواہ ابوداؤد

عامر امی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ:۔ جب مرد بوسن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اُسکے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اُس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں لےتا) اس کی مثال اُس اونٹ کی سی ہے جس کو اُسکے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا،

لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کہ کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔

(سنن ابی داؤد)

(نشر صحیح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہئیے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ کتنا بڑی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اعمال کی کمی کسر پوری ہوتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کی کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت ہی کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانہ تسکین و تسکین کے اعمال کا ثواب:۔

(۲۹۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا۔۔۔۔۔ رواہ البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ :- جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص نطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ وَلَا تُخْزِنِ بَيْنَ يَدَيْكَ۔

مریض کی عبادت اور تسلی و ہمدردی :-

مریض کی عبادت تسلی اور اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کائیک عمل اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عبادت کیلئے تشریف لے جاتے، اُن سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی و توفیٰ اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

۳۰۰) عَنْ اَبِيْ مُؤْسَى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْلِعُوْا بَنَاتِیْكُمْ وَهَوْدَآلَیْرَیْضَیْ وَخَلُّوْا الْعَیْیَ۔

رواہ البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عبادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

(۳۰۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَزْجَعَ ————— رواه مسلم

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔۔۔ بندہ مومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو وہ اس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔۔۔ (صحیح مسلم)

(۳۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَى مَرِيضًا نَادَى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَشَاكُ وَتَبَوَّاتُ مِنَ الْجَنَّةِ مَنَازِلًا۔

————— رواه ابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لئے تیرا چلنا بھرا رک، اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔۔۔ (سنن ابن ماجہ)

(۳۰۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَتَقَسُّوْا إِلَيْهِ فِي أَجْلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَكُونُ شَيْئًا وَيُطِيبُ بِتَقْسِيهِ۔

————— رواه الترمذی وابن ماجہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بائے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بائے میں خوش کن اور مطمئن بخش باتیں

مثلاً یہ کہ تمہاری حالت بہتر ہے، انشاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے، اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا) اور یہی عبادت کا مقصد ہے۔

(جامع ترمذی سنن ابن ماجہ)

(۳۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ عَلَامٌ يَهُودِيٌّ يُعَذِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَضَ فَأَنَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُودَةً فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسَلِمَ فَتَنَظَّرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ أَطِيعُوا أَبَا الْقَاسِمِ فَأَسَلِمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْفَكَهُ مِنَ النَّارِ —

رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کیلئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پڑھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے، اُس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اُس نے لڑکے سے کہا کہ تو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے: —
”خمس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔“ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جن غیر مسلموں کو آپؐ کے کچھ قریب ہونے کا

موقع ملتا تھا وہ آپ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اُس کے لئے دعا و صحت:

(۲۰۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُمَا نَسِئًا مَسْحَةً يَمِينِهِ ثُمَّ قَالَ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا بِشِفَائِكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دامن ہاتھ کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: - أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے تو ہی شفا دینے والا ہے، پس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۰۶) عَنْ عُمَانَ ابْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّكَ اشْتَكَيْتَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى النَّبِيِّ يَا لَمْ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ ثَلَاثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقَدْ رَتَبَهُ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللَّهُ

مَا كَانَ بَنِي

رَوَاهُ سَلَم

حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روکی تمکات کی جو ان کے ہسم کے کسے تھے میں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھ جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو "بِسْمِ اللّٰهِ" اور سات مرتبہ کہو "أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَفُؤْدِ رَزَقِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَحَدٌ وَأَحَادِرُ" (میں پناہ دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کو مجھے خطر ہے کہے جس کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دو فرما دی۔۔۔

عَنْ

(۳۰۷) عَنْ ابْنِ عُثْمَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ غَلْبَةً وَسَلَمَةً يُعَوِّدُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أَعْبَدُكُمْ كَمَا يَكْلِمَاتِ اللّٰهِ الثَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لِأَمَةٍ وَيَقُولُ إِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ يُعَوِّدُ بِهَا اسْتَعِجِلْ وَاسْتَعِجِلْ

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے حسن و حسین ارضی اللہ عنہما کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے۔۔۔
 اَعْبَدُكُمْ كَمَا يَكْلِمَاتِ اللّٰهِ الثَّامَةِ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں اللہ کے کلمات نام کی
 مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لِأَمَةٍ ہر شیطان کے شر سے اور ہر ذریعہ جانور سے اور ہر انسان کے دل سے۔۔۔
 اور فرماتے تھے کہ: تمہارے بڑا عجب اور اچھا ہے اپنے دونوں صاحبزادوں اسْتَعِجِلْ وَاسْتَعِجِلْ پر ان کلمات سے دم کرتے تھے۔

(تشریح) "کلمات نامہ" سے مراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا ان کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں

بہر حال آپ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دُعا پڑھا کرتے تھے اور اس طرح ان کے لئے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

(۳۰۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى ذَهَبَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمَعْوِذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَّهَهُ الَّذِي تَوَلَّى فِيهِ كُنْتُ أَلْفُ عَلَيْهِ بِالْمَعْوِذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفُثُ وَأَسْحَى بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوج بجا رہتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوتی جس میں آپ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ دم کیا کرتے تھے اور آپ کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرتی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ”معوذات“ سے مراد بظاہر سورہ ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ اور ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دُعائیں مراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اور جو آپ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دُعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی انشاء اللہ اپنے موقع پر ”کتاب الدعوات“ میں مذکور ہوں گی۔

جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟ :-

(۳۰۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

رواہ مسلم

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔۔ مرنے والوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔۔۔ (بیہق مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آئنا نظر آچکے ہیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا جائے یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اگر زبان ساتھ نہ سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر لیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اُس وقت اُس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم موت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اُسکے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

(۳۱۰) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

رواہ ابو داؤد

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔

(سنن ابو داؤد)

(۳۱۱) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِقْرَؤْ سُورَةَ يَكْسٍ عَلَى مَوْتَاكُمْ۔

رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ تم اپنے مرنے والوں پر سورۃ بکس پڑھا کرو۔

(مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد، مسنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین و ایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا اثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت: **يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكَ كَثُوكٌ وَلَا شَيْخٌ وَلَا آيَةٌ تُرْجَعُ حَيَاتٍ** موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

(۳۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ يَقُولُ لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ

رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے تین ہی دن پہلے سنا:۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا لگان ہو۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو، اور اس سے رحمت کی امید بھی، لیکن خاص کر اخیر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہئے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اسکے تیمار دار عیادت کرنے والے بھی اس کی طرف سے ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا لگان اور رحم و کرم کی امید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے؟

(۳۱۳) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنِ سَلَمَةَ وَقَدْ سَقَى بَصْرُهُ فَأَغْمَضَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُضِيَ تَبَعَهُ الْمَدْفُونُ فَضَعَمَ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ فَقَالَ لَا ذَنْبَ لَكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْمَدْفُونَ يَنْبَغُ لَهُمْ قَبْرٌ عَلَى مَا نَفَعَهُ لَنْ نَمُوتَ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي سَلَمَةَ وَأَرْفَعْهُ وَرَسَدِي فِي مُهَيِّبَاتٍ وَاخْلُقْهُ فِي غَفِيهِ فِي الْعَايِرِينَ وَانْخِصِرْ لَنَا وَلَكَ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ وَافْتَحْ لَنَا فِي قَبْرِهِ وَدِرْزَةً فَبَدَّ

— رواہ مسلم —

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے شوہر ابوسلمہ کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا: جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے تو بنائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے اسلئے موت کے بعد آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہئے۔ آپ کی یہ بات سن کر ان کے گھر کے آدمی چلا پتلا کر رونے لگے اور اس بیچ اور صدق کی عاتب میں ان کی زبان سے یہی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بدو عاتبیں تو آپ نے فرمایا: لوگو! اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو اسلئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملشکہ اس پر امین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے خود اس طرح دعا فرمائی: — اے اللہ! ابوسلمہ کی نفلت فرما اور اپنے ہدایت پاتا بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے بچائے تو ہی سر پرستی اور نگرانی فرما اس کے پس منظران کا اور رب العالمین بخشدے ہم کو اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور نور فرما — (صحیح مسلم)

(۳۱۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أَجِرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي سَلَمَةَ أَكُلَ يَبْتِهَا جَرَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنِّي قُلْتُهَا فَاخْتَلَفَ اللَّهُ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رواہ مسلم

عنبت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس صاحب ایمان پر کسی مصیبت آئے (اور کوئی چیز فوت ہو جائے) اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے، یعنی: "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أَجِرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما، اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اسکے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔ (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابوسلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گمراہ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کہا اور دعا کی: "اللَّهُمَّ أَجِرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا" تو اللہ

ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیب فرمائے۔

(صحیح مسلم)

(۳۱۵) عَنْ حَصَيْنِ ابْنٍ وَخُوْجَةَ ابْنِ طَلْحَةَ ابْنِ الْبَرَاءِ
مَرِيضًا قَاتَاهُ الشَّيْخُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَالَ
إِنِّي لَا أُرَى طَلْحَةَ إِلَّا قَدْ حَدَّثَ بِدِ الْمَوْتِ
فَاذْنُوْنِي بِهِ وَتَجَلَّوْا قِيَامَهُ لَا يَتَّبِعُنِي بِحِفْظَةٍ مُسْلِمٍ
أَنْ مُحَبَّبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانِي أَهْلِهِ۔

رواہ ابوداؤد

حصین ابن وحوج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ ابن براء بیمار ہوئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کے لئے انشرفین لائے انکی نازک
حالت دیکھ کر آپ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا، میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی
موت کا وقت آ ہی گیا ہے اگر ایسا وقت ہو جائے تو مجھے خبر کی جائے اور انکی
تہنیت و تکفین میں جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے
کہ وہ گھروالوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تہنیت و تکفین اور دفن وغیرہ
میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم:

کسی کی موت پر اسکے اقارب اور اہل بیت و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اسکے نتیجہ میں
آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل
فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور درمندی کا

جذبہ وجود ہے جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اسلئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عاید کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور ارادی و اختیاری طور پر رونے پٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اسلئے کہ یہ مقام عبادت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی جو خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ و ماتم اور روننا پٹینا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے۔ نیز اس سے اپنے اردو مشرں کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از کم اس وقت منفلوج اور سطل ہو جاتی جو علاوہ ازیں نوحہ و ماتم اور روننا پٹینا میت کے لئے بھی باعث تکلیف ہوتا ہے۔

(۳۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ إِشْتَكَيْتُ سَعْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
شَكْوَى لَدَى فَاتَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْوُدُهُ مَعَ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
مَسْعُودٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهُ فِي غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ
قَضَيْتُ؟ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ أَلَا تَسْمَعُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ
بِدُمْعِ الْعَيْنِ وَلَا يُحْزِنُ الْقَلْبَ وَلَكِنْ يُعَذِّبُ
بِهَذَا وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ أَوْ يَرْحَمُ فَلَمَّا انْهَيْتِ
لِيُعَذِّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ ایک دفعہ
مرضی ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص و

عبداللہ بن مسعودؓ کو ساتھ لے ہوئے ان کی عبادت کے لئے آئے۔ آپ جب انڈر شریف
 لائے تو ان کو آپ نے "غاشیہ" میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یاد یہ کہ آپ نے
 ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گہ آدھوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپ نے فرمایا۔
 "ختم ہو چکے" (یہ بات آپ نے یا تو ان کی حالت سے یا اس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی
 یا بطور استغمام کے ان لوگوں سے آپ نے دریافت کیا جو وہاں پہلے سے موجود تھے
 ان لوگوں نے عرض کیا۔ "نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وہ حالت دیکھ کر (رونا آگیا، جب اور لوگوں نے
 آپ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے ارشاد فرمایا: —
 "لوگو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو
 سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے، اور زبان کی طرف
 اشارہ کر کے آپ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر یعنی زبان سے نوحہ قائم
 کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے پر اور دعا و استغفار کرنے پر) جزا
 بھی فرماتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ
 اس کو عذاب جوتا ہے — (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ و ماتم نہ کیا جائے،
 یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے، بلکہ اِنَّا لِلّٰہِ اور دُعَا و استغفار کے
 ایسے کلے پڑے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا وسیلہ
 بنیں — اس حدیث میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے
 کا بھی ذکر ہے۔ یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ان کے
 والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت
 کیا ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ :- یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں، لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سوہو ہوا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت ”لَا تَزِدْ دَاوُدَ وَذُرَّاءَهُ“ سے بھی استدلال کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ :- اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دو سکے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے سچاے مرنے والے کو۔ لیکن حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انھیں بھول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اسلئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کے لئے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ و ابن عمرؓ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پینے سے اسنے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے ”کارنامے“ بیان کر کے اس کو آسمان پر

(۳۱۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَرِبَ الْحُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَى بِدْعَى الْجَاهِلِيَّةِ ————— رواه البخاری

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تپاچے مارے اور گھڑ پڑے اور گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے) ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ :-

(۳۱۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي سَيْفٍ الثَّقَفِيِّ وَكَانَ ظِعْرًا لِابْنِ إِسْرَافِيلَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحْبَلَهُ وَشَمَّمَهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ فَابْنُ إِسْرَافِيلَ يَبْكُ بِنَفْسِهِ فَجَعَلْتُ عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدْرُفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ عَوْفٍ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ يَا بَنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَبْغَضَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ إِنَّ الْعَيْنَ تَدْرُفُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَلَا نَأْمُرُ بِأَقْبَحِ يَا ابْنُ إِسْرَافِيلَ لِمَ تَبْكُ وَتُؤْتِنُ

رواه البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ابوسیف آہنگ کے گھر گئے۔ یہ ابوسیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب

ابراہیم علیہ السلام کی دایہ اور منہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے (اور)
 ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے (رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھالیا اور چوما اور ان کے رخسار پر ناک لگی
 (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اسکے بعد پھر ایک دفعہ ان صاحبزادہ
 ابراہیم کی آخری بیماری میں (ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے یعنی
 ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمن بن عوف (جو ناواقف سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ تعجب سے) انھوں نے کہا:-
 یا رسول اللہ! آپ کی بھی یہ حالت؟ آپ نے فرمایا:- اے ابن عوف! یہ (کوئی بُری بات
 اور بُری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دُرد مندی ہے پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے
 آنسو بہے تو آپ نے فرمایا:- آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے، اور زبان سے
 ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی) (قَالَ اللَّهُ وَذَاتَا إِلَهِينَا كَايَحْيُوتَ)
 اور نے ابراہیم تمھاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک رنج و غم
 والے حوادث سے رنجیدہ و غمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی
 بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو
 اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے کمال
 نہیں ہے۔

مقام ربانی شیخ احمد فاروقی مجتہد اہل سنت نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ:-
 ”ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں آتی تھی“

اور موجبات غم غم نہیں ہوتا تھا میں اس زمانہ میں سنت نبویؐ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر سرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پرطاری کیا کرتا تھا، اسکے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہو گئی اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور سرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور سرت ہوتی ہے۔

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی :-

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ انظار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ یکاریم اخلاق میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

(۳۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزَّى مُصَابًا فَخَلَّ مِثْلُ أَجْرِهِ

رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔ (جامع ترمذی بہن ابن ماجہ)

اہل میت کے لئے کھانے کا اہتمام :-

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں اس لئے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اُس دن ان کے

کھانے کا اہتمام دوسرے کے اعزاء اور تعلق والے کریں۔

(۳۲۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْمَى جَعْفَرٌ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوا لِإِلٍّ جَعْفَرٍ
مَلْعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ۔

رواہ الترمذی والبوداؤد وابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کے والد ماجد حضرت
جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ، جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے
ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

موت پر صبر اور اس کا اجر:

(۳۲۲) عَنْ أَبِي مُرَيْثَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُ مَا الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ جَزَاءً إِذَا
فَضَّحَتْ صَفِيَّتُهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ اخْتَسَبَتْهُ إِلَّا الْجَنَّةَ۔

رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندہ) کے کسی
پیرائے کو جب میں اٹھا لوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے
جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

(صحیح بخاری)

(۳۲۳) عَنْ ابْنِ مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ قَبَضْتُمْ شَرَّةَ فُؤَادِهِ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ حَمْدًا وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُولُ اللَّهُ إِنِّي مَنَّاهُ لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمَّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ —

رواد احمد والترمذی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ: تم نے اس کے دل کا پھل اُس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ: اُس بندہ نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ:۔۔۔ اس بندے نے آپ کی حمد کی، آپ کا شکر کیا، اور رَأَىٰ لِلَّهِ وَلِئَالِیْهِ رَاجِعُونَ پڑھا (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اُس کے اس صابرانہ رویہ پر) اس کے لئے جنت میں ایک عالی شان گھر بناؤ اور اس کا نام بَيْتُ الْحَمْد رکھو۔

(مسند احمد جامع ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین:۔

(۳۲۴) عَنْ مُعَاذٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّخْزِيمَةَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ
فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ
فَأَعْظَمَ اللَّهُ لَكَ الْأَجَرَ وَالْهَمَّاءَ الصَّابِرَ وَرَزَقَنَا وَإِيَّاكَ
الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللَّهِ
الْهِبَتِيَّةِ وَعَوَارِيهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللَّهُ بِهِ فِي
غَيْبَتِي وَسُرُورٍ وَقَبْضَتِي مِثْلَكَ بِأَجْرِكَ يَوْمَ الصَّلَاةِ
وَالرَّحْمَةِ وَالْهُدَى إِنْ اخْتَسَبْتَنِي فَاصْبِرْ وَلَا تُحْبِطْ
جَزْعَكَ أَجْرَكَ فَتَشَدَّ مَ وَاعْلَمْ أَنَّ الْجَزْعَ لَا بَرْدَ
مِيتًا وَلَا يَنْفَعُ حَرْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَمَا كَانَ قَدْ وَالسَّلَامَ

رواه الطبرانی فی الکبیر الاوسط

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھایا:—

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام سلام خلیفہ! میں پہلے
تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ
اللہ تعالیٰ تم کو اس صدر پر بزرگتر عظیم دے اور تمھارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہم کو
اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے بحقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور
ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی
امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمھارا لڑکا بھی تمھارے پاس اللہ کی امانت تھا)

اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت اکی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاؤں کی نیت سے صبر کیا ————— پس لے لے معاذ صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو کہ صدر مد بھی پہنچا اور اجر سے بھی محروم رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے بچ و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے جو حکم آتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام

(مجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو یقین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے۔
 اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ اِنْ يَرَوْا اللہَ تَعَالٰی کِی خاص نوازش اور
 مِنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ عَنایت ہوگی اور وہ رحمت سے
 وَ اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب
 ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”لے لے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضاؤں کی نیت سے اس صدر مد پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحبِ ایمان بندہ کیلئے

تعزیت نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت بہت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کا غسل و کفن :-

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے نصعت ہو کر موت کے راستے سے دارِ آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ نصعت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جو نہایت ہی پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرت کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لئے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ آغوش کا فوجیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ مٹھل بھی ہو جائے، پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے لیکن اس سلسلہ میں اسرار سے بھی کام نہ لیا جائے اسکے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے پھر نصعت کرنے کے لئے قبرستان تک جایا جائے پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کی ہدایات ذیل میں پڑھئے :-

(۳۲۵) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ .

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحَنُّنٌ لِّغَسَلِ ابْنَتِهِ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا
ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَذْكَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتَ ذَلِكَ
بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنِي فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِنْ
كَافُورٍ فَإِذَا فَرَغْتَ فَأَوْشِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا ۖ وَنَآه
فَأَلْقَى إِلَيْنَا حَقْوَهُ فَقَالَ اشْعُرِيْهَا إِيَّاهُ وَفِي رَوَايَةٍ
اِغْسِلْنَهَا وَثَرَاثَلًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا وَابْتَلْنِ بِمِيَاهِهَا
وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا

رواہ البخاری و مسلم
حضرت ام علیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ: تم اس کو میری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ دفعہ غسل دیجو اور آخری دفعہ میں کافور بھی شامل کیجو، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجو۔ (ام علیہ رحمۃ اللہ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپ کو اطلاع دے دی تو آپ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ: سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو۔ اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اس کو طاق دفعہ غسل دیجو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور دہنے اعضا سے اور وضو کے مقامات سے شروع کیجو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کی غسل دینے کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ ہیں جو ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۳۵ھ کے اوائل میں ہوئی تھی اور

اس روایت سے یہ تپہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادی کو کپڑوں میں کفنایا گیا، لیکن حافظ بن حجر نے فتح الباری میں جوزقی کی تخریج سے حضرت اُمّ عتیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

كَفَّنَّاَهَا فِي خَمْسَةِ
أَثْوَابٍ
وَحَمَرْنَاَهَا كَمَا
تُحْمَرُ الرِّجَالُ الْحَيَّةُ
ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ کپڑوں
میں کفنایا، اور خمار (اوپر ڈھنی) بھی
اڑھائی جس طرح زندوں کو اڑھائی
جاتی ہے۔

اسی بنا پر عورتوں کے لئے کفن میں پانچ کپڑے ہی منون کئے گئے ہیں۔

کفن میں کیا کیا اور کیسے کپڑے ہونے چاہئیں :- ———

(۳۲۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَفَّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَّةٍ بَيْضَ سَحْوَلِيَّةٍ لَيْسَ
فِيهَا دَمِيضٌ وَلَا عَمَامَةٌ ——— رواه البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ۱۔ وصال کے بعد تین سفید یعنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو سحولی تھے ان تین

کپڑوں میں نہ کرتا تھا اور نہ عمامہ ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اکثر شارحین نے سحولی کی تشریح میں کہا ہے کہ مین کے علاقہ میں سحول ایک بستی تھی
جہاں کے کپڑے مشہور تھے بعض حضرات نے اسکے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں لیکن
راجح یہی ہیں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے بھی مین چادریں
استعمال فرماتے تھے، وصال کے بعد آپ کے کفن میں بھی وہی استعمال کی گئیں ———
اور آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں نہ کرتا تھا نہ عمامہ ——— اور مردوں کے لئے

کفن میں تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔

(۳۲۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا كَفَنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ

— رواہ مسلم —

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی اپنے کسی مرنے والے بھائی کو کفن دے تو اچھا
کفن دے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا اصل منشا بھی میت کا اعزاز و اکرام ہے اور مطلب یہ ہے کہ
کوئی شخص استطاعت کے باوجود اپنی میت کو اس خیال سے کہ اب تو اس کو قبر میں دفن ہونا
اور مٹی میں ملنا ہے، پھٹے پڑنے اور ردی کپڑے میں نہ کفنائے بلکہ اچھا اور مناسب کفن دے
یہ میت کے اعزاز و اکرام کا تقاضا اور حق ہے۔

(۳۲۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اَلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ
ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَكُمْ

— رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ —

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ سفید کپڑے پہنا کر وہ تمھارے لئے اچھے کپڑے ہیں۔
اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۳۲۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا تُفَنُّوا فِي الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يُسَلَبُ سَرِيْعًا

— رواہ ابو داؤد —

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ بستر جب کفن نہ استعمال کرو۔ تاکہ وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ استطاعت کے باوجود میت کو کفن ردی کیسے نہ کا دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ بیش قیمت کپڑا کفن میں استعمال کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفن کرنے اور درمیانی حیثیت کے اچھے سفید کپڑے کا کفن دینے کے نہ کوڑہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی استطاعت رکھتے ہوں، ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور پرنے کیسے میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔

غزوہ اُحُد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو نہ صرف ایک پرانی اور اتنی چھوٹی سی چادر میں کفنا یا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا، اور پاؤں کو اڈختر گھاس سے چھپا دیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جنائزہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب:

(۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ ابْتِمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيُفَرِّغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ

يُزَجُّعُ مِنَ الْآخِرِ فَيُفْزِلُ الْآخِرَ بِكُلِّ ذَنْبٍ مَا مَسَّ الْآخِرَ وَمَنْ
صَلَّى عَلَيْهَا نَفْسٌ وَحْدَةً قَدْ أُوتِيَ ثَوَابَ حَادٍ مِائَةِ زَجَّعٍ
بِقِيَّاتِهِ -
رواد البخاری وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی شہادت کے ساتھ اور ثواب کی نسبت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اُس دفن تک جنازے سے ساتھ ہے جب تک کہ اس نماز پڑھی جائے اور اسکے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے ڈھیر بیکروا پس ہوگا جن میں سے ہر قیراط کو مائید ہواٹک برابر ہوگا اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آجائے اُسی کا ثواب ساٹھ ہے۔ ہودہ ۱۰۰ کا ایسا ہی

ایک قیراط بیکروا پس ہوگا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ظاہر ہے حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے اُس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا اور غنیمت بیان کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صحت نماز میں شرکت کر کے واپس آ گیا وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ ڈھیر قیراط کا مستحق ہوگا۔ قیراط راجح قول کے مطابق درہم کا باہواں حصہ ہوتا ہے قریباً دو پیسہ۔

چونکہ اس زمانہ میں مزدوروں کو اُن کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس کو دنیا کا قیراط درہم کا باہواں حصہ آئے آدھ آئے نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا اُحد پہاڑ اسکے مقابلے میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔۔۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس عمل پر عظیم ثواب تب ہی ملے گا جبکہ یہ عمل ایمان و یقین کی بنیاد پر اور ثواب

ہی کی نیت سے کیا گیا تو یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی اُمید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میرے گھر والوں کا جی خوش کرنے کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا، اللہ و رسول کا حکم اور آخرت کا ثواب اسکے پیش نظر تھا ہی نہیں، تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہ ہو گا۔۔۔۔۔۔ حدیث کے الفاظ: اِيْمَانًا وَرَاحْتِسَابًا کا مطلب یہی ہے۔۔۔۔۔۔ اور سمجھنا چاہئے کہ اعمال کے اجر اخروی کے لئے یہ ایک عام شرط ہے۔ اس سلسلہ "معارف احمدیہ" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں حدیث: "اِيْمَانًا وَرَاحْتِسَابًا" کی تشریحات میں اور دوسری جلد میں "اخلاص" کے زیر عنوان اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

جنازہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم:۔۔۔۔۔۔

(۳۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ فَإِنَّ تَأْتِ صَالِحَةٌ فَخَيْرٌ تَقَدَّرَ مَوْنُهَا إِلَيْهِ وَإِنْ تَأْتِ سَيِّئَةٌ ذَلَالَتْ فَشَرٌّ تَضَعُ حُجْرَتُكَ عَنْ رِجَالِكُمْ

رواہ البخاری و مسلم
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ جنازے کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لئے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہنچا دو گے، اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک بُرا (بوجھ تھا) رے کندھوں پر ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجزیہ و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لئے جنازہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو پھر جلدی اس کو اسکے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے اور اگر خدا نخواستہ اسکے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بارے سے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

نماز جنازہ اور اس میں میت کے لئے دُعا: —————

(۳۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَنَاخِلْهُمُ لَكَ الدُّعَاءُ ————— رواه ابو داؤد وابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ جب ہم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کے لئے دُعا کرو۔۔۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دُعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گو یا دُعا ہی کی تہید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں جو دُعا میں پڑھتے تھے (جو آگے درج کی جا رہی ہیں) وہ سب اس موقع کے لئے بہترین دُعا میں ہیں۔

(۳۳۳) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَنَازَةٍ فَخَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ وَهُوَ يَقُولُ
اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَآزِمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ وَآكِرْهُ

نَزَّلَهُ وَدَسَّغَ مَذْخَلَهُ وَغَسَّلَهُ بِالْمَاءِ وَالسَّلِيمِ وَالْبَرْدِ
وَنَفَعَهُ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَفَعَتِ الْقُتُوبُ الْاَبْيَضُ مِنَ النَّاسِ
وَأَبْدَلَهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا
مِنْ زَوْجِهِ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَأَعَدَّ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ
قَالَ حَتَّى تَمْتَنَّبَتْ أَنْ أَكُونَ أَنَا ذَلِكَ الْمَيِّتُ ————— رواه مسلم

حضرت عون بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں، آپ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو صحت فرما دے، اس کی باعزت جہان فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرما دے (چتر کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کے بجائے) پانی سے برف سے اور اولوں سے اس کو سلا دے (اور ٹھنڈا اور پاک فرما دے) اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف فرما دے جس طرح چھلے سفید کپڑے کو تو نے نیل سے صاف فرما دیا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلے میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلے میں اچھا رفیق حیات عطا فرما دے، اور اس کو جنت میں پہنچا دے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو پناہ دے (حدیث کے راوی عون بن مالک صحابی) کہتے ہیں کہ حضور کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آنسو پیدا ہوئے کہ کاش یہ میت میں ہوتا ————— (صحیح مسلم)

(۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَشَهِدْنَا وَغَايِبْنَا وَصَغِّرْنَا وَكَبِّرْنَا وَذَكِّرْنَا وَأُنْثَانَا

اور خداوند حق ہے — اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرما

تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے — (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جنازہ کی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں جو سند رجہ بالا حدیثوں میں مذکور ہوئیں، پڑھنے والے کو اختیار ہے جو دعا چاہے پڑھے اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

سند رجہ بالا حدیثوں سے خاصکر ڈائل ابن اسحاق اور ابو ہریرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنازہ کی نمازیں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابہ کرام نے شکر ان کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نمازیں بعض دعائیں وغیرہ اسلئے بالجہر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ شکر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا بآواز پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا، ورنہ عام قانون دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: —
”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ اپنے رب سے دعا کرو عاجزی و سبکدوشی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔

نماز جنازہ میں کثرت تعداد کی برکت اور اہمیت: —

(۳۳۶) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
يَبْلُغُونَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ إِلَّا شَفَعُوا فِيهِ۔

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں

تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) قدّیر، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں رانج کے قریب ایک قصبہ تھا، اودھ عثمان مکہ معظمہ اور رانج کے درمیان مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵، ۳۶ میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے کے انتقال کا یہ واقعہ ان دونوں مقامات میں سے کس مقام پر پیش آیا تھا۔

(۳۳۸) عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ مَيِّتٍ فَيَصَلِّيُ عَلَيْهِ ثَلَاثَةٌ صَفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أُوجِبَ فَكَانَ مَالِكٌ إِذَا اسْتَقْبَلَ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَأَهُمْ ثَلَاثَةَ صَفُوفٍ لِهَذَا الْحَدِيثِ — رواه أبو داود

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کے لئے مغفرت و جنت کی دعا کریں تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے۔ (مالک بن ہبیرہ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرندیزی کہتے ہیں کہ) مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ تین حدیثیں ہیں۔ سب سے پہلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تین مسلمانوں کے نماز جنازہ پڑھنے پر اور اسکے بعد اہل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث

میں چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر اور آخری مالک بن نمیرہ والی حدیث میں مسلمانوں کی تین صدقوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ————— بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نہیں باتیں منکشف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ تین مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمائے گا۔ ————— اسکے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ہم مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنائی گئی۔ ————— اسکے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صدقوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپ کو یہی اطمینان دلا دیا گیا اگرچہ تعداد ۳۰ سے بھی کم ہو۔ واللہ اعلم بہر حال ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں کثرت مطلوب اور بابت برکت و رحمت ہے، اسلئے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

دفن کا طریقہ اور اسکے آداب:۔۔۔۔۔

(۳۳۹) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي هَلَكَ فِيهِ أَلْحَدُ وَلِيٍّ لَحْدًا وَأَلْحَضُونِي عَلَى الَّذِينَ نَضَبْنَا كَمَا صَنِيعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔۔۔۔۔ رواہ مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (والد ماجد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے افضل قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لئے کچی نہیں

کھڑی کر دی جائیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا تھا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور کچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر زمین ایسی کچی ہو کہ بغلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شش کہتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں لیکن افضل خود یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

(۳۲۰) عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ أَيْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ أُحُدٍ اخْفَرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَنْعَمُوا وَأَخْسِنُوا وَادْفَنُوا الْإِثْنَيْنِ وَالْمَلَائِكَةَ فِي قَابِرٍ وَاحِدٍ وَقَدْ مُنَا أَكْثَرَهُمْ قُرَانًا

رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی

ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا کہ (شہداء کے لئے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو اور اچھی طرح بناؤ اور دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) غزوہ اُحد میں قریب شتر کے صحابہ کرام شہید ہوئے تھے ان سب کے لئے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا، اور ایسے خاص موقعوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظیر بھی قائم کرنی تھی اس لئے آپ نے حکم دیا کہ

حکم بناء ————— رواہ ابو نعیم فی شرح السنہ
امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر زبھنی دفن کے وقت اس کی قبر پر (دونوں
ہاتھ ایک ساتھ بھر کر تین دفعہ مٹی ڈال ————— اور اپنے صابن لے کر ابراہیم
کی قبر پر پانی چھڑکایا چھڑکوا یا اور اس کے اوپر رنگ ریزے ڈلوائے۔

(شرح السنہ)

(۳۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَحْسِبُوهَ كَأَمْرًا
يَهْ إِلَى خَابِرِهِ وَيُفَرِّدُ عِنْدَ نَاسِهِ فَأَيْتَهُ الْبَقْرَةَ وَعِنْدَ
رَجُلَيْهِ يَخَاتِمُ الْبَقْرَةَ —————

————— رواہ البیہقی فی شعب الایمان قال داہم صحیح انہ موقوف علیہ

حضرت محمد بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ: جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو
دیر تک گھر میں مت روکو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو
اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات (تا مفلحون) اور
پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (۴ من القرآن) سے ختم سورہ تک (پڑھی جائیں) ————— (یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے
اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ روایت
میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ
یہ ثابت نہیں ہے۔)

(تشریح) میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن و دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیکھی ہوگی اسلئے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعہ ثابت نہ ہو، لیکن محدثین اور فقہاء کے اصول پر یہ حکم میں رافع ہی کے ہے۔

قبر کے متعلق ہدایات :-

(۳۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنْ يُجَيِّصَ الْقَبْرَ وَأَنْ يُبْنِيَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ۔

— رواہ مسلم —

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچھ سے بچھ کر کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے

یا اس پر بیٹھا جائے — (صحیح مسلم)

(تشریح) قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے، کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بنا پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی اس پر بیٹھ نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہوگا — اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس و آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو، اسی واسطے اس کو گچھ وغیرہ سے بچھ کر اور شاندار بنانے کی اور اس کے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے — دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور کچی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرکی پند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنائیں گی۔ جن صحابہؓ یا

تابعین یا اولیاء اُمت کی قبریں شریعت کے احکام کے مطابق بالکل سادہ اور کچھ ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی، اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے، اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

(۳۴۵) عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تَقْصُوا إِلَيْهَا

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ ابھی ادھر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے جراتی ہے، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا کہ اس سے صاحبِ قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے، اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد اُمت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

(۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى قَبْرِ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ أَوْ لَا تُؤْذِ

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے ٹکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا: —

”اس قبر والے کو تکلیف نہ دو“

(مسند احمد)

ضرورت نظر کر کے اس کی ممانعت کر دی جائے گی، لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندریشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

(۳۴۸) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَغَارِبِ: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّمَا أَنشَأَ اللَّهُ بِكُمْ لِلْخِفَتَيْنِ نَسْعًا اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ۔"

رواہ مسلم

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو کہ تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو، بل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں، اور ان کے لئے دعا کریں: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ ... الخ (سلام جو تم پر ان گھروں والوں! یمنوں میں سے اور مسلمانوں میں سے، اور انشاء اللہ تم سے آٹنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا) (یعنی یمن اور سکون کا) (صحیح مسلم)

(۳۴۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمَدِينَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يُغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْآخِرِ۔"

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ ... الخ (سلام ہو تمہیں

اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، غمِ ہم سے آئے جانے والے ہو

اور ہم پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دُعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔۔۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دُعا کے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے۔۔۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہوتی چاہئیں اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین بالاحسان کا طریقہ یہی تھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقہ پر قائم رکھے اور اسی پر اُٹھائے۔

اموات کیلئے ایصالِ ثواب:

کسی کی موت کے بعد اُس کی خدمت اور اُس کے ساتھ خُشن سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے لئے مغفرت و رحمت کی دُعا کی جائے اور جرم و کرم کی بھینک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے نمازِ جنازہ کی خاص غرض و نیت یہی ہے، اور زیارتِ قبور کے سلسلہ میں بھی اور جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اسبابِ قبور کو سلام کے ساتھ اُن کے لئے دُعا کے لئے مغفرت بھی کی گئی ہے۔۔۔۔۔ دُعا کے خیر کے اس طریقہ کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفعِ رسانی کی ایک دوسری صورت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتائی ہے کہ اُن کی طرف سے سداۃ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عمل خیر کر کے اس کا ثواب ان کو دیا گیا جائے "ایصالِ ثواب" اسی کا عنوان ہے۔۔۔۔۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے:

(۳۵۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ ثَوَّقَ مِنْ أُمَّةٍ

وَهُوَ عَائِثٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّةً ثَوَّقَ مِنْ أُمَّةٍ

عَائِثٌ عَنْهَا أَيْ نَفَعَهَا سَنَجِيْ إِنَّ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ

قَالَ فَإِنِّي أَشْهَدُ لَكَ أَنَّكَ حَاشِي الْخُرَافَاتِ صَدَقَ اللَّهُ عَلَيْكَ

رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو وہ ان کے لئے نفع مند ہوگا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہونچے گا)۔ آپ نے فرمایا: ہاں پہونچے گا۔ انھوں نے عرض کیا:۔ تو میں آپ کو گواہ بنا ہوں کہ اپنا باغ (خرفات) میں نے اپنی مرحوم والدہ کے لئے صدقہ کر دیا۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی مروی ہے اُس میں حضرت سعد کا نام نہیں ہے لیکن شراحین نے لکھا ہے کہ اُس کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔

(۳۵۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ قَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنُهُ هِشَامُ مِائَتَيْنِ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهُ عَمْرُو أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي لَأَتِيَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي أَوْصَى بِعِتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ وَإِنَّ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ مِائَتَيْنِ وَبَقِيَّتُ عَلَيْهِمْ مِائَتُونَ رَقَبَةً فَأَعْتَقْتُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ نَصَدْتُمْ عَنْهُ
أَوْ بَحَثْتُمْ عَنْهُ بَلَّغْتُمْ ذَالِكَ ————— رواہ ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا
عاص بن وائل نے رجم کو اسلام نصیب نہیں ہوا اپنے بیٹوں کو، وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے
تو غلام آزاد کئے جائیں (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے، ہشام بن العاص نے اپنے
بیٹے کے چچا اس غلام آزاد کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے بھی آزاد کیا کہ وہ بھی اپنے
چچے کے باقی چچا اس آزاد کر دیں لیکن انھوں نے طے کیا کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کر کے ایسا کروں گا چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ، میرے
والد نے تو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے چچا اس اپنی طرف سے
آزاد کر دیئے اور چچا اس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ چچا اس غلام آزاد کر دوں؟
آپ نے فرمایا کہ، اگر تمھارے والد اسلام و ایمان کیساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے
غلام آزاد کرنے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حدیث بھی مسئلہ ایصالِ ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقہ کے ذریعہ
ایصالِ ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی سند احمد کی روایت میں بجائے حج کے
روزہ کا ذکر ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات اہول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب
اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے!
”کتاب الصلوٰۃ“ ختم ہوئی۔ ————— فَلَلهُ الْحَمْدُ الْمُنَّهْ وَحْدَهُ صَلَواتُ الصَّالَوٰةِ وَالسَّلَامِ۔

محمد منظر نعمانی عفا اللہ عنہ